تراجم مصادر قانون اسلامی - ۲

قصاص و دیت

ترجمہ، ترتیب و تدوین

محمد میاں صدیقی

معاونین

صاحبزادہ ساجد الرحمٰن ــــ علی احمد انصاری

ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

۱۴۰۲ھ

ادارہ تحقیقات اسلامی

(جامعہ اسلامیہ) اسلام آباد

طبع اول: ——— ایک ۱۰۰۰ ہزار

تاریخ طباعت: ——— رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ ———

جولائی ——— ۱۹۸۲ء ———

قیمت: ———

طبع فی المطبعة العربیة

۳۰- ایبٹ روڈ۔ بالمقابل [illegible] لاہور پاکستان

اہتمام طباعت: مکتبہ عثمانیہ لاہور

ناشر

ادارہ تحقیقات اسلامی

اسلام آباد

پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵

تراجم مصادر قانون اسلامی ۲

نگران

پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ج ہالے پوتا

قصاص و دیت

ترجمہ، ترتیب و تدوین

محمد میاں صدیقی

معاونین

صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

علی احمد انصاری

نظر ثانی

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(القرآن ۲ : ۱۷۹)

اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے

اے عقلمندو! تاکہ تم بچتے رہو!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات تشکر و امتنان

تراجم مصادر قانونِ اسلامی کی پہلی جلد "حدود و تعزیرات" کی تکمیل سے فارغ ہونے کے بعد اسی سلسلہ کی دوسری جلد "قصاص و دیت" کی تکمیل پر ہم سب سے پہلے اللہ جل شانہ کا شکر بجا لاتے ہیں، اس کی توفیق اور لطف کرم نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اس جدوجہد میں شریک ہو سکیں جو اس وقت پاکستان میں قوانین اسلام کے نفاذ کے لیے جاری ہے۔

ہم صدرِ مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کی حوصلہ افزائی کے سبب ادارہ اس دینی و ملی ذمہ داری کو نبھانے کے قابل ہوا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدرِ محترم کی مساعی کو بار آور کرے اور ادارہ کے منصوبے "تراجم مصادر قانونِ اسلامی" کو ان مساعی میں ممد و معاون بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مجلسِ منتظمہ

تراجم مصادرِ قانونِ اسلامی

فہرست

نواں باب:

احکام دیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ اجمعین۔

پاکستان میں نفاذِ قانونِ اسلام کی اِس وقت جو کوششیں ہو رہی ہیں اُن میں اگرچہ کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ اور اس ضمن میں حکومتی سطح پر بعض ایسے اقدامات بھی کیے گئے ہیں جو بلاشبہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ ان کے نتائج ان شاء اللہ ٹھوس اور دور رس ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے لیے اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کہ اس کٹھن راہ میں کئی دشواریاں اور مشکلات بھی ہیں، ان پر قابو پائے بغیر منزل کو پالینا آسان نہیں ہے۔

پاکستان میں نفاذِ شریعت کی راہ میں جو مشکلات حائل ہیں، ہم نے اُن میں سے ایک ایسی مشکل کا جائزہ لیا جس کے حل میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اپنے محدود وسائل کے باوجود مثبت کردار ادا کر سکتا تھا۔

ہماری نظر میں یہ مشکل تھی قانونِ اسلام کی تمام بنیادی کتابوں کا عربی زبان میں ہونا، اور ہمارے ملک کے اکثر ماہرین قانون کا عربی زبان سے پوری طرح آشنا نہ ہونا۔ یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے، اور افسوس ہے کہ کم لوگ اس کی اہمیت کو محسوس کر رہے ہیں، جس زبان سے ماہرین قانون واقف نہیں ہوں گے اس زبان میں موجود کسی قانون سے وہ بھرپور طریقہ پر استفادہ کیسے کر سکتے ہیں۔؟

پاکستان کو وجود میں آئے پینتیس برس گزر چکے ہیں۔ پہلے دن سے اس بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہونا چاہیئے۔ اس مطالبہ کو اگر تحریکوں، نعروں اور جلسوں تک محدود نہ رکھا جاتا بلکہ ٹھوس علمی کام ہوتا کیوں کہ ٹھوس علمی کام کا نہ ہونا ہی آج سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے، تو یقینی طور پر صورتِ حال مختلف ہوتی۔

بہرحال ادارہ تحقیقات اسلامی نے، جس کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ پاکستان میں معاشرہ کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اپنی مساعی کو بروئے کار لائے۔ اس خلا کو شدت سے محسوس کیا، اس کے پاس جو محدود وسائل تھے انھیں مجتمع کیا، اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ فقہِ اسلامی کی بنیادی کتب (جن کے اُردو تراجم ہمارے طویل المیعاد منصوبے میں شامل ہیں) کے اُن ابواب کا فوری طور پر اردو میں ترجمہ کیا جائے جن سے متعلق اسلامی قوانین نافذ ہو چکے ہیں یا وہ قوانین جو زیرِ غور ہیں، تو عدلیہ اور قانون کے پیشہ سے وابستہ حضرات کی اچھی خاصی مدد ہوگی۔ اور وہ حضرات جو عربی زبان سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے، اردو کے ذریعے قوانین اسلام تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا، اور اس کی بنیاد پر ادارہ نے مصادرِ شرعیہ کو اردو میں منتقل کرنے کے اہم کام کا آغاز کیا، اور کام کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے ادارہ کے رفقاء (اسکالرز) پر مشتمل آٹھ یونٹ بنا دیئے گئے۔ ہر یونٹ کو ایک موضوع، یا ملتے جلتے چند موضوع تفویض کر دیے گئے، اور اس طرح کام کی ابتداء ہو گئی۔

سب سے پہلے "حدود و تعزیرات" کے موضوع پر ایک جلد تیار کی گئی اور اُسے شائع کیا گیا، حدود و تعزیرات کو اِس بنا پر اولیت دی گئی کہ "حدود آرڈی ننس" نافذ ہو چکا ہے، اور وفاقی شرعی عدالت، اسلامی قوانین کے مطابق مقدمات کی سماعت کرتی ہے۔

حدود و تعزیرات کے بعد دوسری جلد جو کہ "قصاص و دیت" پر ہے پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس سلسلے کی پہلی کتاب (حدود و تعزیرات) کی طرح زیرِ نظر کتاب کو بھی اہلِ علم، اور خاص طور پر ماہرینِ قانون پسند کریں گے۔

"قصاص و دیت" کی ترتیب و تدوین کا انداز پہلی کتاب سے قدرے مختلف ہے۔ اس کو سترہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، اس میں فقہ اسلامی کی بنیادی کتب کے صرف تراجم پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ان تراجم کو اس انداز سے مرتب و مدوّن کیا جیسے عام طور پر کسی کتاب میں کیا جاتا ہے۔

ہر باب کے تحت جو مضامین لیے ہیں وہ فقہِ اسلامی کی مستند کتابوں سے لیے ہیں۔ اور

ان کے مکمل حوالے دیئے ہیں۔

جزئیات میں اختلاف کی صورت میں فقہِ حنفی کے علاوہ، اہل سنت والجماعت کے باقی تین فقہی مسالک بھی ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ان فقہاء کا مسلک انہی کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ماہرینِ قانون کے سامنے زیرِ بحث مسئلہ کی تفصیلات اور فقہاء کی مختلف آراء آجائیں، اِس طرزِ تالیف و ترجمہ سے ہمارا خیال ہے کہ وکلاء اور جج صاحبان کو پیش آمدہ مسائل میں جزئیات کا وسیع ذخیرہ مل جائے گا۔

اس ضمن میں مناسب ہوگا کہ ملک کے ممتاز ماہر قانون، دانش ور، اور اسلامک یونیورسٹی کے ریکٹر جناب اے، کے بروہی کا ذکر کروں، جنہوں نے آج سے کافی عرصہ سے قبل ادارہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ مصادرِ شرعیہ کو جو کہ تمام تر عربی میں ہیں، انھیں اردو میں منتقل کیا جائے۔

ایک ماہر قانون کی حیثیت سے ان کی نظر میں یہ بات تھی کہ قوانین اسلام کو سمجھنے کے لیے مصادر قانون اسلامی کا عربی زبان میں ہونا بہت بڑی دشواری ثابت ہوگا۔ چنانچہ ادارہ نے ایک طویل منصوبہ مرتب کیا۔ اور اس میں تفسیر، حدیث، اور فقہِ اسلامی کی کم و بیش اسّی ایسی کتب کے اُردو تراجم کا فیصلہ کیا گیا جن کی حیثیت مسلّمہ، اور حوالہ کتب کی تھی۔

موجودہ حکومت نے جب نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز کرنے کا فیصلہ کیا تو وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات جناب راجہ محمد ظفر الحق نے بھی بحیثیت ایک ماہر قانون ادارہ میں اپنی آمد کے موقعہ پر اس ضرورت کا اظہار کیا کہ: مصادر قوانینِ اسلام کا عربی زبان میں ہونا، قانون دان طبقہ کے لیے خاصی دشواری کا سبب بنا ہوا ہے۔ اگر ادارہ اس عظیم دینی اور قومی ذمہ داری کو قبول کرے تو یہ ادارہ کی قابلِ قدر علمی خدمت ہوگی، اور اس سے نفاذِ اسلام کی راہ میں حائل ایک مشکل دور ہو جائے گی۔

ان دونوں حضرات کی تحریک اور رہ نمائی ہماری، حوصلہ افزائی کا سبب بنی، ہم نے اللہ کے بھروسہ پر اس کام کی ابتداء کی، اور بتوفیق ایزدہم اس منصوبے کی پہلی کتاب، جو کہ "حدود و تعزیرات" پر ہے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے، ہم اللہ جل شانہٗ کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ اس نے اس اہم

اور مشکل کام کی توفیق بخشی۔

میں تہِ دل سے جناب ڈاکٹر این، اے بلوچ وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی، اور جناب غلام صدیق گھانگھرو ڈین آف ایڈمنسٹریشن کا بھی شکر گزار ہوں، جن کی بھرپور مدد اور خصوصی توجہ ہر مرحلہ پر ہمارے شاملِ حال رہی، اور ہم اس منصوبے کے ابتدائی حصّہ کو عملی شکل دینے میں کامیاب ہوئے۔

ادارہ کے وہ رفقاء بھی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جو گزشتہ ایک سال سے اس منصوبے کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہماری ان مخلصانہ مساعی کو "سعیاً مشکوراً" کا مصداق بنائے۔ اور ہماری یہ کوشش پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں میں ایک ادنیٰ درجہ پا سکے۔

وما توفیقنا الا باللہ۔

اسلام آباد — ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا

رمضان المبارک — (ڈائرکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی)

۱۴۰۲ھ

طریقۂ تالیف

زیرِ نظر کتاب میں حسبِ ذیل طریقۂ تالیف پیشِ نظر رکھا گیا ہے:

الف: فقہِ اسلامی کی صرف اُن بنیادی کتب کو مأخذ و مصدر کے طور پر منتخب کیا گیا ہے جو مستند مسلّمہ، اور اہلِ علم کی نظر میں غیر متنازعہ ہیں۔

ب: بعض ابواب کے بعینہٖ ترجمے کیے گئے ہیں، اور بعض مقامات پر خلاصہ کیا گیا ہے لیکن اس بات کا پوری طرح لحاظ کیا گیا ہے کہ ماتنؒ (صاحبِ کتاب) نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں نہ کوئی تغیر ہو اور نہ اضافہ۔

اگر کسی جگہ وضاحت یا ربط کے لیے کسی عبارت کا اضافہ کیا ہے تو اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ مترجم و مرتب کی طرف سے ہے۔

ج: بعض مقامات پر "تشریح" کے عنوان سے کچھ عبارتیں درج کی ہیں، ان کی حیثیت بھی وضاحت اور تشریح کی ہے۔ بعض تشریحات مترجم و مرتب کی طرف سے ہیں۔ (جیسا کہ اس کی وضاحت موجود ہے) اور بعض کسی معروف و مستند کتاب یا اس کے شروح و حواشی سے اخذ کی گئی ہیں، وہاں ان کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو کوئی اُلجھن نہ ہو۔

د: بعض مسائل کا ذکر ایک سے زائد مرتبہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فقہی مسلک میں اس کا ایک حکم ہے، اور دوسرے فقہی مسلک میں اس سے مختلف ہے، اختلافِ حکم کی بنا پر اس کو ایک سے زائد جگہ پر ذکر کرنا پڑا۔

۵ : بنیادی طور پر تمام زیرِ بحث مسائل میں فقہ حنفی کو (اوّلاً) ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ (اختلاف کی صورت میں) اہل سنّت والجماعت کے دوسرے فقہی مسالک کے حوالے بھی دیئے ہیں، اس سے منشاء یہ ہے کہ ماہرینِ قانون کے سامنے چاروں فقہی مسالک آجائیں۔

۶ : کتاب کو سترہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے دو ابواب میں، موضوع سے متعلق صرف قرآنِ حکیم، اور حدیثِ نبوی کا حوالہ دیا ہے۔ احادیث صحاح ستّہ سے لی ہیں۔ ترجمہ کے ساتھ متن بھی ہے، اور حواشی میں مکمل حوالوں کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اصطلاحات

زیرِ نظر کتاب میں استعمال کی جانے والی اصطلاحات۔

ائمۂ اربعہ :	امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ)۔
ائمۂ مجتہدین :	مذکورہ بالا چاروں امام ہی مراد ہوتے ہیں۔
ابنِ مَخَاضْ :	دو سال سے زائد عمر کا اونٹ۔
اَرْشْ :	دیت، اعضاء کی دیت، پوری جان کے مالی تاوان کے لیے "دیت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور اعضاء کے مالی تاوان کے لیے "اَرْشْ" کا لفظ۔
اِسْتِحْسَانْ :	لغوی معنی: کسی چیز کو اچھا سمجھنا، فقہاء کے نزدیک، کسی دلیل یا مصلحت کی بنا پر قیاسِ جلی کو ترک کرنا۔
بَائِعْ :	فروخت کرنے والا۔
بنتِ لَبُوْنْ :	دو سال سے زائد عمر کی اونٹنی۔
بنتِ مَخَاضْ :	ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنی۔
تاوان :	مالی جرمانہ۔
جَذْعَہ :	چار سال سے زائد عمر کا اونٹ۔
جَنِیْنْ :	حمل۔
حدِ قذف :	تہمتِ زنا کی سزا
حَرْبِی :	کافروں کے ملک یا کافروں کی حکومت میں رہنے والا غیر مسلم۔
حِقَّہ :	تین سال سے زائد عمر کا اونٹ۔

حکومتِ عدل ؛ کسی جُرم کی سزا میں کیا جانے والا وہ جرمانہ جو حاکم/حکومت اپنی صوابدید سے کرے۔

دارُالحَرب ؛ کافروں کا ملک۔ کافروں کی حکومت۔

دارُالکُفر ؛ کافروں کا ملک۔

درہم ؛ چاندی کا ایک سکہ، اس کے وزن کا اندازہ ۲ء۹۷ گرام لگایا گیا ہے، چاندی کا نصابِ زکوٰۃ اسی کے حساب سے مقرر کیا جاتا ہے۔ چاندی کے نرخ کے اعتبار سے اس کی مالیت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

دینار ؛ سونے کا ایک سکہ جس کے وزن کا اندازہ ۴ء۲۵ گرام لگایا گیا ہے۔

ذِمّیؒ ؛ وہ غیر مسلم جو مسلم حکومت میں رہتا ہو، اس کا شہری ہو۔

رَجْم ؛ سنگسار کرنا، سنگسار کرنے کی سزا۔

شاہد ؛ گواہی دینے والا۔

صاحبین ؛ امام ابو حنیفہ کے دو نامور شاگرد؛ امام ابو یوسف، اور امام محمد بن حسن۔

صحیحین ؛ حدیث کی دو معروف کتابیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

عاقلہ ؛ مددگار برادری۔

عُشر ؛ دسواں حصّہ۔

غُرّہ ؛ تاوان، دیت کا بیسواں حصّہ۔

کفّارہ ؛ تاوان۔ خواہ مال ہو یا کسی اور شکل میں۔

کافرِ معاہد ؛ وہ غیر مسلم جو کسی معاہدہ کے تحت مسلم/اسلامی حکومت میں مقیم ہو۔

مُحْصِنٌ :	شادی شُدہ مرد۔
مُحْصِنَہ :	شادی شُدہ عورت ۔
مُدَّعِیٌ :	دعویٰ کرنے والا ۔
مُدَّعیٰ عَلَیْہِ :	جس پر دعویٰ کیا گیا ہو۔
مُرْتَدٌ :	اسلام لانے کے بعد پھر اسلام سے پھر جانے والا ۔
مُسْتَامِنٌ :	وہ غیر مسلم شخص جس کو مسلمان حکومت نے عارضی طور پر اپنے ملک میں پناہ دی ہو۔
مُشْتَرِیٌ :	خریدنے والا۔
مَعْصُوْمُ الدَّمِ :	جس کا خون بہانا حرام ہو۔
مَعْتُوْہٌ :	جس کے دماغ میں خلل ہو، دیوانگی ہو، فاترالعقل ۔
مُکْرِہٌ :	مجبور کرنے والا ۔
مُکْرَہٌ :	وہ شخص جس کو کوئی کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔
مُلَاعَنَہ :	وہ عورت، جس پر اس کے شوہر نے زنا کی تہمت لگائی ہو۔
مُوصیٰ لَہٗ :	جس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔
ولی :	سرپرست ۔

مصادر

القرآن الحکیم

السنّۃ :

صحیح بخاری : امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
م : ۲۵۶ھ

صحیح مسلم : امام مسلم بن حجاج القشیریؒ
م : ۲۶۱ھ

سنن ابن ماجہ : ابو عبداللہ محمد ابن یزید القزوینیؒ
م : ۲۷۵ھ

سنن النسائیؒ : ابو عبدالرحمٰن احمد ابن شعیب النسائیؒ
م : ۳۰۳ھ

الجامع للترمذی : ابو عیسٰی محمد ابن عیسٰی الترمذیؒ
م : ۲۷۹ھ

فقہ حنفی

المبسوط : شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل ابی بکر السرخسیؒ
م : ۴۹۰ھ

الھدایہ : شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانیؒ
م : ۵۹۳ھ

فتاویٰ عالمگیری : مجلس علماء مقررہ اورنگ زیب عالمگیرؒ

در مختار : محمد علاء الدین الحصکفیؒ

م : ۱۰۸۸ھ

فقہ مالکی :

المؤطا : امام مالک بن انسؒ

م : ۱۷۹ھ

المدونۃ الکبریٰ : امام مالک بن انسؒ

م : ۱۷۹ھ

بدایۃ المجتہد : ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبیؒ

م : ۵۹۵ھ

فقہ شافعی :

کتاب الأم : امام محمد بن ادریس الشافعیؒ

م : ۲۰۴ھ

الاقناع : شمس الدین محمد بن احمد الشربینیؒ

دسویں صدی ہجری کے عالم تھے۔

فقہ حنبلی :

المغنی : ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسیؒ

م : ۶۲۰ھ

پہلا باب

القرآن الحکیم

قرآنی آیات، متعلقہ قصاص و دیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

القرآن الحکیم

حرمتِ قتل

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ط اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ
الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ط فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ط ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ فَمَنِ
اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی
الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ آیت: ۱۷۸، ۱۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو۔ فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیئے اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لئے ہے دردناک عذاب۔

اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو، تاکہ تم بچتے رہو۔

(۲) اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا
عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝

(البقرہ آیت: ۱۹۴)

ترجمہ: حرمت والا مہینہ بدلہ (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا، اور ادب رکھنے میں بدلہ ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اُس پر زیادتی کرو جیسی اُس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔

(۳) وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاءً، وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً

فتحریر رقبة مؤمنة و دیة مسلّمة إلیٰ اهله إلّآ أنْ یّصدقوا ، فان کان من قوم عدوٍّ لکم و هو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة ، و ان کان من قومٍ بینکم و بینهم میثاق فدایة مسلمة إلیٰ أهْلِه و تحریر رقبة مؤمنة ، فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله ، وکان الله علیمًا حکیمًا ، و من یقتل مؤمناً متعمدًا فجزائهٗ جهنم خالدًا فیها و غضب الله علیه و لعنهٗ و أعدّ لهٗ عذابًا عظیمًا۔ (النساء، آیۃ : ۹۲، ۹۳)

ترجمہ : اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو، مگر غلطی سے۔ اور جو قتل کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی ، اور خون بہا پہنچائے اُس کے گھر والوں کو، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی، اور اگر وہ تھا ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے ، تو خوں بہا پہنچائے اُس کے گھر والوں کو، اور آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی، پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھے دو مہینے کے برابر گناہ بخشوانے کو اللہ سے ، اور اللہ جاننے والا ، حکمت والا ہے۔

اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے ، پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا، اور اس کو لعنت کی، اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

(۴) یا أیها الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارةً عن تراض منکم، ولا تقتلوا انفسکم، ان الله کان بکم رحیمًا۔

(النساء، آیۃ :۲۹)

ترجمہ : اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے، اور نہ خون کرو آپس میں ، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

(۵) کتبنا علیٰ بنی اسرائیل انه من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا ، و من احیاها فکانما احیا الناس جمیعًا،

(المائدہ، آیۃ : ۳۲)

ترجمہ : لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے، یا بغیر فساد کے کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو، اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔

(۶) انما جزؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فساداً اَنْ یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض، ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذابٌ عظیم۔

(المائدہ، آیۃ : ۳۳)

ترجمہ : یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے، اور اس کے رسول سے، اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے، یا سُولی چڑھائے جائیں، یا کاٹے جائیں اِن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے، یا دور کر دیئے جائیں اِس جگہ سے، یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

(۷) وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(المائدہ، آیۃ : ۴۵)

ترجمہ : اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر، پھر جس نے معاف کر دیا تو وُہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وُہی لوگ ہیں ظالم۔

(۸) ولا تقتلوا اولادکم من املاق، نحن نرزقکم وایاھم۔ (الانعام، آیۃ: ۱۵۱)

ترجمہ : اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو۔

(۹) ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ اِملاق، نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان

خِطْاً كَبِيرًا۔ (بنی اسرائیل، آیۃ: ۳۱)

ترجمہ: اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے، ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا بڑی خطاء ہے۔

(۱۰) ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلّا بالحق، ومن قتل مظلومًا فقد جعلنا لولیہ سلطانًا فلا یسرف فی القتل، إنہٗ کان منصورًا۔ (بنی اسرائیل، آیۃ: ۳۲)

ترجمہ: اور نہ مارو اُس جان کو جس کو اللہ نے منع کر دیا ہے مگر حق پر، اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اُس کے وارث کو زور، سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں، اس کو مدد ملتی ہے۔

(۱۱) والذین لا یدعون مع اللہ الٰھًا اٰخر، ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون۔ (الفرقان، آیۃ: ۶۸)

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو، اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے، مگر جہاں چاہیئے۔

دوسرا باب

السُّنَّۃ

احادیثِ نبویؐ متعلقہ قصاص و دیّت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرمتِ قتل :

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : اذا التقی المسلمان بسیفھما، فالقاتل والمقتول فی النار، قلتُ : ھذا القاتل، فما بال المقتول ؟ قال : إنہٗ کان حریصًا علی قتلِ صاحبہٖ[1] ۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپؐ فرماتے تھے ! اگر دو مسلمانوں نے ایک دوسرے پر تلوار کھینچی تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے، میں نے عرض کیا : (یا رسول اللہ !) قاتل کا دوزخ میں جانا تو ظاہر ہے، مگر مقتول کس بنا پر دوزخ میں جائے گا ؟ آپؐ نے فرمایا : مقتول بھی تو اپنے قاتل کو مار ڈالنے کا خواہش مند تھا (اگر اس کا بس چلتا تو وہ مار ڈالتا)۔

قیامت میں سب سے پہلے خونِ ناحق کا فیصلہ ہوگا :

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اول ما یقضی بین الناس یوم القیامۃ، فی الدماء[2] ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا، وہ خون ہوگا (یعنی قتل ناحق کا فیصلہ کیا جائے گا، اور قاتل کو سزا دی جائے گی)۔

قاتل اول ہر خونِ ناحق کے گناہ میں حصہ دار ہے :

۱ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا تُقتَلُ نفسٌ ظلمًا الا کان علی ابن آدم الاول کفل من دمھا لانّہٗ اول

---

[1] صحیح بخاری۔ ج : ۴ : ص : ۳۱۷ ۔

[2] ایضاً۔ ج : ۴، ص : ۳۱۴ ۔

من سنّ القتل[1]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی ظلم سے مارا جائے، اس کا گناہ حضرت آدم کے بیٹے قابیل کو بھی پہنچتا ہے کیوں کہ اس نے دنیا میں قتل کی رسم ایجاد کی (اور سب سے پہلا قتل کیا)۔

عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل مؤمنٍ بغیر حقٍّ[2]۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام دنیا کا بگڑ جانا (تباہ ہو جانا) اللہ کے نزدیک ایک مؤمن کے ناحق قتل ہو جانے سے زیادہ آسان ہے۔

تین صورتوں کے علاوہ مسلمان کا قتل جائز نہیں:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یحل دم امرئٍ مسلم یشھد اَنْ لا الٰہ الا اللہ واَنّی رسول اللہ اِلّا بِاِحْدَی ثلاثٍ۔ النفس بالنفس، وَالثَّیِّبُ الزّانی، والمارق من الدین التارک للجماعۃ[3]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں (یعنی محمدؐ) اللہ کا رسول ہوں تو اس کا خون بہانا جائز نہیں ہے، مگر ان تین باتوں میں سے ایک بات پر اس کا خون بہانا جائز ہے۔ ایک تو جان کے بدلے جان (یعنی ناحق کسی کو قتل کیا، اس کے قصاص میں)، دوسرے یہ کہ شادی شدہ زنا کرے، تیسرے یہ کہ ایک مسلمان اپنا مذہب چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جائے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یحل دم امرئٍ مسلم یشھد ان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، الا باحدی ثلاثٍ۔ رجل زنیٰ بعد احصانٍ فانہ یرجم، ورجل خرج محاربًا

---

[1] ایضاً: ج: ۱، ص: ۳۲۳ نیز سنن ابن ماجہ ج: ۲، ص: ۸۷۳۔ [2] سنن ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۴۔ [3] صحیح بخاری۔ کتاب الدیات، ج: ۴، ص: ۲۱۷۔

باللہ ورسولہ فانہ یقتل او یصلب، او ینفی من الارض، او یقتل نفسًا فیقتل بھا۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کا، جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، خون حلال نہیں ہے۔ مگر ان تین باتوں میں سے ایک بات کے سبب اس کا خون حلال ہوگا۔ ایک یہ کہ شادی کے بعد زنا کرے، اُسے سنگسار کیا جائے گا، دوسرے یہ کہ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے نکلے، تو اسے قتل کیا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ کسی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اُسے بھی قتل کیا جائے گا۔

قتلِ مومن میں اعانت!

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اعان علی قتلِ مؤمنٍ بشطر کلمۃ لقی اللہ عزوجل، مکتوب بین عینیہ "آئس من رحمۃ اللہ"[۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک مومن کے قتل میں آدھی بات (یعنی ایک لفظ) کہہ کر بھی مدد کرے، تو وہ اللہ تعالیٰ سے (قیامت کے روز) اس طرح ملے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا "یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔

مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یشیر احدکم علی اخیہ بالسلاح فانہ لا یدری لعل

---

[۱] ابوداؤد۔ کتاب الحدود۔ ج: ۴، ص ۲۲۳۔

[۲] سنن ابن ماجہ۔ ج: ۳، ص: ۸۷۴ (کتاب الدیات)۔

الشیطان ینزع فی یدہٖ فیقع فی حفرۃ النار[1]۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے، اور اس کے لگ جائے۔ اور اس کے بدلے وہ جہنم میں چلا جائے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من اشار الیٰ اخیہ بحدیدۃ فان الملائکۃ تلعنہ حتیٰ یضعھا، وان کان اخاہ لابیہ وأمّہ[2]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص کسی مسلمان کی طرف لوہے سے اشارہ کرتا ہے، فرشتے اُس پر اُس وقت تک لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اس لوہے کو رکھ نہ دے۔ اگرچہ وہ اشارہ کرنے والا اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : من حمل علینا السلاح فلیس منا[3]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

کس صورت میں قصاص لیا جائے گا۔؟

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہٖ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من قتل متعمدًا دفع الیٰ اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا، وان شاؤا اخذوا الدیۃ، وھی ثلاثون حقۃ وثلاثون جذعۃ واربعون خلفۃ، وما صالحوا علیہ فھو لھم[4]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ ج : ۴، ص : ۳۶۹۔ [2] صحیح مسلم، ج : ۴، ص : ۲۰۲۰۔

[3] صحیح مسلم، ج : ۱، ص : ۹۹۔

[4] جامع ترمذی، ج : ۲، ص : ۴۲۱۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جان بوجھ کر کسی کو مار ڈالے تو قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا، چاہیں تو وہ اس کو بدلہ میں مار ڈالیں، یا اُس سے خون بہا لے لیں، خون بہا ایک سو اونٹنیاں ہیں، جن میں تیس ایسی ہوں گی جو تین برس کی ہو کر چوتھے برس میں لگی ہوں، تیس وہ ہوں گی جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں لگی ہوں، اور چالیس اونٹنیاں گیابھن (حاملہ) ہوں گی۔ اور مقتول کے وارث جس بات پر فیصلہ یا صلح کریں، وہی قاتل پر واجب ہوگی۔

قتل کے جرم میں شرکت کرنے والے کو بھی سزا دی جائے گی:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا امسك الرجلُ الرجلَ وقتله الآخر يُقتَلُ الذی قتل، ويحبس الذی امسك[1]۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک شخص دوسرے کو پکڑ لے، اور دوسرا اُسے قتل کر دے تو قتل کرنے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور جس نے پکڑا، اُسے قید کیا جائے گا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قتل عمدًا فهو قود ومن حالَ دونه فعليه لعنة الله وغضبه لا يقبل منه صرف ولا عدل[2]۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قصدًا مارا جائے، یہ قتل قصاص کو واجب کرتا ہے۔ اور جو شخص قصاص لینے میں مزاحمت کرے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، اور اس کا غضب ہے، ایسے شخص کے نہ فرض قبول ہوں گے اور نہ نفل۔

---

[1] دار قطنی۔ کتاب الحدود۔

[2] ابو داؤد۔ ج: ۴، ص: ۳۰۷۔

ایک شخص کے بدلے میں متعدد لوگوں کو قتل کیا جائے گا:

عن سعید بن مسیب، ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قتل نفرًا، خمسة اوسبعة برجل قتلوه قتل غیلة وقال عمر: لو تمالأ علیه اهل صنعاء لقتلتهم جمیعًا۔[1]

سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے قتل کے بدلے میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا یہ سب لوگ اس کے قتل میں شریک تھے اور انہوں نے دھوکہ دے کر اس کو قتل کیا تھا۔ اور قتل کرنے کے بعد فرمایا: اگر اس شخص پر صنعا والے سب کے سب حملہ کرتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں صنعا کے سارے لوگوں کو قتل کرا دیتا۔"

کیا مسلمان کو غیر مسلمان کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔؟

عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: المؤمنون تکافؤ دماء هم وهم ید علی من سواهم ویسعی بذمتهم ادناهم الا لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عهد فی عهده۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب مسلمان قصاص میں اور دیت میں برابر ہیں۔ اور سب مسلمان، غیر مسلمانوں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں اور مسلمانوں میں سے معمولی سا آدمی بھی کسی سے عہد کرے تو اس کو پورا کرے۔ خبردار کسی کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے

کافر کے بدلے مسلمان نہیں مارا جائے گا:

عن ابی جحیفة قال قلت لعلی بن ابی طالب هل عندکم شیءٌ من العلم لیس عند الناس قال لا واللہ ما عندنا الناس الا ان یرزق اللہ رجلا فهمًا

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی۔ کتاب الدیات۔ [2] ابوداؤد۔ ج ۴، ص: ۳۰۳۔

فی القرآن او ما فی ھٰذِہٖ الصحیفۃ فیھا الدیات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ان لا یقتل مُسلمٌ بکافرٍ[۱]۔

ترجمہ :۔

ابو جحیفہؓ سے روایت ہے میں نے حضرت علی رضؓ سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی ایسا علم ہے جو اور لوگوں کے پاس نہیں ہے انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم میرے پاس وہی علم ہے جو اور لوگوں کے پاس ہے صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو قرآن میں ایک سمجھ دیتا ہے اور چند باتیں ہیں جو اِس کتاب میں ہیں۔ اِس کتاب میں دیتوں کا بیان تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے نہیں مارا جائے گا۔

تشریح : امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کا مسلک، اس حدیث کے مطابق ہے، امام ابوحنیفہ رح کا مسلک اس سے مختلف ہے۔ اختلافِ مسالک کی تفصیل باب نمبر: ۱۴ میں ذکر کی گئی ہے۔

جان و مال کی حفاظت کے لئے قتل جائز ہے :

عن عبداللہ بن عمرو قال : سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قتل دون مالہ فھو شھید[۲]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کہتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا : جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے، وہ شہید ہے۔

عن سعید بن زید : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من قُتل دون مالہ فھو شھید ومن قُتل دون دَمِہٖ فھو شھید ومن قُتل دون دینہ فھو شھید[۳]۔

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور

---

[۱] سنن ابن ماجہ، ج : ۲، ص : ۸۸۷۔ [۲] صحیح بخاری۔ ج : ۲، ص : ۱۰۸۰۔

[۳] جامع ترمذی۔ ج : ۲، ص : ۴۳۶

جو شخص اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال : جاء رجل فقال : یا رسول اللہ! أرأیت ان جاء رجل اخذ مالی ؟ قال : فلا تعطہ مالک۔ قال أرأیت ان قاتلنی؟ قال: قاتلہ۔ قال : أرأیت إن قتلنی ؟ قال : فأنت شھید۔ قال : أرأیت ان قتلتہ؟ قال : ھو فی النار۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا، یا رسول اللہ: اگر کوئی شخص میرا مال لینے کے لئے آئے تو میں کیا کروں ؟ آپ نے فرمایا: اپنا مال اس کو نہ دے۔ اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے ؟ فرمایا : تو بھی اس سے لڑائی کر، عرض کیا اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ فرمایا تو شہید ہے۔ عرض کیا : اگر میں اس کو مار ڈالوں ؟ فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔

باپ کو اولاد کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا :

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یقتل بالولد الوالد۔[2]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ کو اُس کے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

قاتل وارث نہیں ہوتا :

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: القاتل لَا یَرِثُ۔[3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاتل، وارث نہیں ہوتا۔

---

[1] صحیح مسلم۔ ج : ۱، ص : ۱۲۴۔ [2] سنن ابن ماجہ۔ ج : ۲، ص : ۸۸۸۔

[3] ایضاً۔ ج : ۲، ص ۸۸۳۔

جرم کا مواخذہ اسی سے ہوگا جو اس کا ارتکاب کرے گا :

عن سلیمان بن عمرو بن الاحوص عن ابیه قال : سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی حجة الوداع : اَلَا لَا یجنی جانٍ اِلّا علٰی نفسه ، لَا یجنی والد علٰی ولده ، وَلَا مولود علٰی والده[1]۔

عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا : آگاہ ہو جاؤ۔ جو قصور کرے گا، وہ اپنی ہی ذات پر کرے گا، باپ کے قصور میں بیٹا نہیں پکڑا جائے گا، اور بیٹے کے قصور میں باپ کو سزا نہیں دی جائے گی۔

عن طارق المحاربی، قال : رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یرفع یدایه، حتّٰی رأیت بیاض ابطیه، یقول : اَلَا لَا تجنی اُمٌّ علٰی ولدٍ، اَلَا لَا تجنی اُمٌّ علٰی ولدٍ[2]۔

طارق محاربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اس حال میں آپ ؐ فرماتے تھے :۔ آگاہ ہو جاؤ۔ ماں کے قصور میں بیٹا نہیں پکڑا جائے گا، ماں کے قصور میں بیٹا نہیں پکڑا جائے گا۔

عن الخشخاش العنبری رضی الله عنه قال : اَتَیْتُ النبی صلی الله علیه وسلم ومعی ابنی، فقال : لا تجنی علیه، ولا یجنی علیک[3]۔

خشخاش عنبری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا، آپ ؐ نے فرمایا : تیرے قصور میں وہ نہیں پکڑا جائے گا، اور اس کے قصور میں تو نہیں پکڑا جائے گا۔

---

[1] سنن ابن ماجہ۔ ج : ۲، ص : ۸۹۰۔ [2] سنن ابن ماجہ۔ ج : ۲، ص : ۸۹۰۔

[3] ایضاً۔

عن اسامة بن شریک رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لَا تجنی نفسٌ علی اُخْرَیٰ [1]

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی نفس (ذات) دوسرے نفس کے قصور میں نہیں پکڑا جائے گا۔

قتل مرتد :

عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول یأتی فی آخر الزمان قوم حدثاء الاسنان ، سفہاء الاحلام ، یقولون من خیر القول البریّة ۔ یمرقون من الاسلام کما یمرق السہم من الرّمیّة لا یجاوز ایمانہم حناجرھم فأینما لقیتموھم فاقتلوھم ، فان فی قتلھم اجرًا لمن قتلھم یوم القیامة [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ عنقریب آخری زمانے میں ایک قوم پیدا ہوگی جو نوعمر ہونے کے باوجود بہترین لوگوں کی سی باتیں کرے گی۔ مذہب سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے ، ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ جائے گا۔ تم میں سے جو شخص بھی اس قوم سے ملے تو اس کو قتل کرے۔ اس شخص کو قیامت کے دن اجر ملے گا جو اس قوم کو قتل کرے گا۔

عن عکرمة قال : إنّ علیًّا حرق قومًا فبلغ ابن عباس فقال : لو کنتُ انا لَمْ احرقھم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : لا تعذبوا بعذاب اللہ " ولقتلتُھم کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من بدل دینہ فاقتلوہ [3]۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلوایا ۔ یہ خبر حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے کہا : اگر میں موجود ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور

---

[1] ایضاً ۔ [2] صحیح بخاری ۔ ج : ۲ ، ص : ۱۰۲۴ ۔

[3] صحیح بخاری ۔ ج : ۲ ، ص : ۲۵۱ ۔

فرمایا ہے کہ کسی کو ایسا عذاب نہ دو جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور میں ان کو قتل کرا دیتا جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے مذہب اسلام کو بدل دے اس کو قتل کر دو۔

خودکشی :

عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تردّی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم، یتردّی فیھا خالدًا فیھا ابدًا، ومن تحسّٰی سمًّا فقتل نفسہ فسمّہ فی یدہ یتحسّاہ فی نار جھنم خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یتجساہ بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا[1]۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر مارا اس کو دوزخ میں بھی گرایا جاتا رہے گا اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور جس شخص نے زہر کھا کر جان دی دوزخ کے اندر بھی زہر کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے کسی ہتھیار سے مارا، اس کے وہ ہتھیار دوزخ میں اپنے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں اندر گھونپے گا، اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الذی یخنق نفسہ یخنقھا فی النار، والذی یطعنھا یطعنھا فی النار[2]۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص اپنے کو گلا گھونٹ کر مارے گا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا۔ اور جو اپنے آپ کو نیزہ مارے گا، دوزخ میں بھی اپنے آپ کو نیزہ مارے گا۔

عن جندب بن عبد اللہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن

---

[1] بخاری جلد : ۴، صفحہ : ۷۱، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۴۴۔

كان قبلكم رجل به جرح فجزع فاخذ سكينًا فحزّ بها يده فما رقأ الدم حتى مات قال الله تعالى بادرني عبدي بنفسه فحرّمت عليه الجنة[1]

حضرت جندبؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں زخم آگیا تھا۔ اس نے چھری اٹھا کر اپنے ہاتھ کو کاٹ ڈالا (تاکہ تکلیف سے چھٹکارا ملے) اس کا خون نہ رکا اور مر گیا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنے آپ کو مارنے میں جلدی کی۔ میں نے اس پر جنت حرام کردی۔

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب الانبیاء صفحہ ۳۰۳۔

اعضاء کا قصاص

سر کا قصاص:

عن انس رضی اللہ عنہ ان یھودیًا رضّ رأس جاریۃٍ بین حجرین فقیل لھا من فعل بکِ ھذا؟ أفلانٌ أفلانٌ! حتّٰی سُمِّیَ الیھودیُّ، فأومأت برأسھا فجیءَ بالیھودیّ فاعترف فامر بہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرُضَّ رأسہٗ بالحجارۃ[1]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر پتھر رکھ کر کچل ڈالا۔ لڑکی سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے مارا ہے؟ فلاں نے یا فلاں نے؟ جب اس کے سامنے یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے سر کے اشارے سے یہودی کی نشان دہی کی، یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اس نے جرم کا اعتراف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس یہودی کا سر پتھر سے کچل دیا گیا۔

دانت میں قصاص ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال کسرت الربیع عمۃ انسٍ ثنیّۃَ جاریۃٍ فطلبُوا العفو فابوا فعرضُوا علیھم الارش فابوا فأتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فأمَرَ بالقصاص فقال انس بن النّضرِ یا رسول اللہ أتکسرُ ثنیّۃ الرّبیع والّذی بعثکَ بالحقِّ لا تُکسرُ فقالَ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم یا انسُ کتابُ اللہ القصاص قال فرضی القومُ فعفوا فقالَ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان مِنْ عباد اللہِ لَوْ أقسمَ علَی اللہِ لَأبرّہٗ[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ربیع نے جو انس کی پھوپھی تھیں، ایک لڑکی

---

[1] صحیح بخاری۔ ج: ۲، ص: ۳۱۹۔ [2] سنن ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۸۹۔

کا دانت توڑ ڈالا، پھر ربیع کے لوگوں نے معافی مانگی، لیکن لڑکی والے معافی پر راضی نہیں ہوئے، پھر ربیع کے لوگوں نے دیت دینا چاہی، انہوں نے دیت لینے سے بھی انکار کیا، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ انس بن نضر نے کہا: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا، قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے اُس کا دانت نہ توڑا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس رض اللہ تعالیٰ کی کتاب قصاص کا حکم کرتی ہے، یہ سُن کر لڑکی والے لوگ راضی ہوگئے اور انہوں نے معاف کر دیا، اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پاک کے بعض بندے ایسے ہیں جو اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو سچا کر دیتا ہے۔

مسائلِ دیت

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دیت، اور اس کی مقدار :

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال : كانت قيمة الدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمان مائة دينار او ثمانية آلاف درهم ودية اهل الكتاب يومئذ النصف دية المسلمين، قال فكان كذلك حتى استخلف عمر فقام خطيبنا فقال ان الابل قد غلت قال ففرضها عمر على اهل الذهب الف دينار وعلى اهل الورق اثنى عشر الفا وعلى اهل البقر مائتى بقرة وعلى اهل الشاة الفى شاة وعلى اهل الحلل مائتى حلة قال وترك الدية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية[1]

حضرت عمرو بن عبداللہ بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خون بہا کے اونٹوں کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کا خون اس زمانے میں مسلمانوں کے خون بہا سے نصف تھا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے سونا رکھنے والوں پر خون بہا ایک ہزار دینار مقرر کیا اور دولت مند چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم، اور دولت مند گائے رکھنے والوں پر دو سو گائیں، دولت مند بکریاں رکھنے والوں پر دو ہزار بکریاں اور دولت مند کپڑے رکھنے والوں پر دو سو جوڑے کپڑے۔ اور ذمی لوگوں کا خون بہا وہی رکھا جو پہلے تھا۔

عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم انه جعل الدية اثنى عشر الفا۔[2]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم خون بہا مقرر کیا تھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۴ کتاب الدیات صفحہ ۳۰۔ [2] ترمذی۔ ج ۲، ص : ۴۲۲ ۔ (کتاب الدیات)۔

قتلِ شبہِ عمد میں دیت :

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: قتیل الخطأ شبہ العمد، قتیل السوط والعصا، مائۃ من الابل، اربعون منہا خلفۃ فی بطونہا اولادھا[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شبہ عمد یعنی خطا کا مقتول وہ ہے جو کوڑے یا لکڑی (چھڑی، معمولی لکڑی) سے مارا جائے، اس میں سو اونٹ ہیں دیت کے طور پر، ان سو اونٹوں میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جو حاملہ ہوں۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یوم فتح مکۃ وھو علی درج الکعبۃ فحمد اللہ واثنی علیہ فقال: الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ، الا ان قتیل الخطا قتیل السوط والعصا، فیہ مائۃ من الابل منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادھا[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: شکر ہے اللہ کا، جس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اور اس نے تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی۔ آگاہ ہو جاؤ۔ خطاء کا مقتول وہ ہے جو کوڑے اور چھڑی سے مارا جائے اس میں دیت کے سو اونٹ لازم ہیں۔ ان سو اونٹوں میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں جو حاملہ ہوں۔

قتلِ خطا کی دیت :

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قتل خطأً فدیتہ من الابل ثلاثون بنت مخاض وثلثون ابنۃ

---

[1] ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۷۔ [2] ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۵۔

لبون وثلاثون حقة وعشرة بنی لبون، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوّمها علی اهل القریٰ اربع مائة دینار او عِدلها من الورقِ وَیُقوِّمُها عَلیٰ اَزمانِ الابل اذا غلت رفع فی ثمنها واذا هانت نقص من ثمنها علیٰ نحو الزمان ما کان فبلغ قیمتها علیٰ عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَا بین اربع مائة دینار الیٰ ثمان مائة دینارٍ او عِدلها من الورق ثمانیة آلاف درهم وقضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من کان عقله فی البقر من اهل البقر مائتی بقرة، ومن کان عقله فی الشاءِ عَلیٰ اَهلِ الشَّاءِ الفی شاةٍ[1]

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خطا سے مارا جائے، اس کی دیت تیس ایسی اونٹنیاں جو ایک ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہوں، اور تیس ایسی اونٹنیاں جو دو دو سال کی ہو کر تیسرے سال میں لگی ہوں، اور تیس ایسی اونٹنیاں جو تین تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں، اور دس دو دو برس کے اونٹ ہیں۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم گاؤں والوں پر دیّت کی قیمت چار سو دینار لگاتے، یا اتنی ہی قیمت کی چاندی، اور دیت کی قیمت اونٹوں کے نرخ کے حساب سے لگاتے۔ جب اونٹ گراں ہوتے تو دیت بھی زیادہ ہوتی، اور جب اونٹ ارزاں ہوتے تو دیت بھی کم ہو جاتی، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت کی قیمت چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک پہنچی، چاندی کے آٹھ ہزار درہم اس کے مساوی ہوتے تھے، نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ گائے اور بیل والوں سے دیت میں دو سو گائیں لی جائیں، اور بکری والوں سے دو ہزار بکریاں لی جائیں۔

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دیة الخطاءِ عشرون حِقّةً وعشرون جَذَعَةً وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون بنی مخاضٍ[2]

---

[1] ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۹۔ [2] ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۹۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل خطاء کی دیت میں بیس ایسی اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں، اور بیس ایسی اونٹنیاں ہیں جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں لگی ہوں، اور بیس ایسی اونٹنیاں جو ایک برس کی ہو کر دوسرے برس میں لگی ہوں، اور بیس اونٹنیاں ایسی جو دو برس کی ہو کر تیسرے برس میں لگی ہوں، اور بیس ایسے اونٹ ہیں جو ایک برس کے ہو کر دوسرے برس میں لگے ہوں،

جس کا کوئی عزیز مارا جائے تو اُس کے وارث کو تین باتوں کا اختیار ہے:

عن ابی شریح الخزاعی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصیب بدم او خبل والخبل الجراح فھو بالخیار بین إحدی ثلاث فان اراد الرابعۃ فخذوا علی یدیہ أن یقتل او یعفو أو یاخذ الدیۃ فمن فعل شیئا من ذالک فعاد فان لہ نار جھنم خالدا مخلدا فیھا ابدا[1]

ابو شریح خزاعی سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا خون کیا جائے یا وہ زخمی کیا جائے تو اُس کو (یا اُس کے وارث کو) تین باتوں کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ چوتھی بات کرنا چاہے تو اُس کو روکو، وہ تین باتیں یہ ہیں: یا تو قصاصاً قاتل کو قتل کرے، یا معاف کر دے، یا دیت لے لے، اب جب اِن تین باتوں میں سے کوئی ایک بات کر لے تو پھر کوئی چوتھی بات (زیادتی کی) کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہے گا۔

دِیت کس پر واجب ہوگی۔؟

عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ قال: قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالدیۃ علی العاقلۃ[2]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کا فیصلہ کیا قاتل کے عاقلہ، یعنی مددگار برادری پر۔

---

[1] ابن ماجہ۔ج: ۲، ص ۸۷۶۔ [2] ایضاً۔ص: ۸۷۹، ۸۸۰۔

عن المقدام الشامي رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
انا وارث من لا وارث لہٗ، اعقل عنہ وارثہ، والخال وارث من لا وارث
لہٗ۔ یعقل عنہ و یرثہٗ[1]

مقدام شامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، میں اس کی طرف سے دیت دوں گا، اور اس کا ترکہ بھی لوں گا اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو، وہ اپنے بھانجے کی طرف سے دیت دے گا، اور اس کا وارث بھی ہو گا۔

ایک شخص نے عمداً قتل کیا پھر مقتول کے وارث دیت پر راضی ہوگئے :

عن زید بن ضُمَیْرَۃَ حدثنی ابی و عمّی و کانا شہدا حُنَیْنًا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالا صلی اللہ علیہ وسلم صلّی الظّہر ثم جَلَسَ تَحْتَ شَجَرَۃٍ فقام الیہ الاقرع بن حابسٍ وَھُوَ سَیِّدُ خِنْدَفٍ یَرُدُّ عن دمِ مُحَلِّمِ بن جَثَّامَۃَ وَقَامَ عُیینۃُ بُن حِصْنٍ یطلبُ بدمِ عامرِ بنِ الاضبط و کَانَ اَشْجَعِیًّا، فقالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم تقبلون الدِّیَۃَ فَاَبَوا فقامَ رجُلٌ من بنی لیثٍ یقال لہٗ مُکَیْتِلٌ، فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم واللہِ ما شَبَّھتُ ھذا القتیلُ فی غُرَّۃِ الاسلام الّا کغَنَمٍ وَرَدتْ فرُمِیَتْ فَنُفِرَ اُخرُھَا فقالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلّمَ لکُم خمسُونَ فی سَفَرِنا وخمسُونَ اِذا رجعنا فقبلوا الدّیۃ[2]

زید بن ضمیرہؓ سے روایت ہے میرے باپ اور چچا نے روایت کیا وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ حنین میں موجود تھے، ان دونوں نے کہا، آپؐ نے نماز ظہر پڑھی، پھر آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو اقرع بن حابس آپؐ کی طرف گئے وہ (قبیلہ) خندف کے سردار تھے اور قصاص کو رد کرتے تھے محلم بن جثامہ سے اور عیینہ عامر بن اضبط کے خون کا دعویٰ کرتے تھے وہ اشجعی

---

[1] ایضاً۔ ص: ۸۸۰،۸۷۹ [2] ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۷۶۔

تھے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا تم دیت قبول کرتے ہو اُنہوں نے انکار کیا پھر ایک شخص بنی لیث میں سے کھڑا ہوا جس کو مکتیل کہتے تھے اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم خدا کی یہ قتل اسلام کے غلبہ کی مشابہ ہے اُن بکریوں کے جو پانی پینے کو آئیں پھر ہانکا گیا اُن کا پہلا گروہ تو بھاگا اُس کی وجہ سے پچھلا گروہ بھی اُن کا، آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پچاس اُونٹ (دیت کے) تو ہمارے اِس سفر کی حالت میں ہی لے لو اور پچاس جب ہم مدینہ پہنچیں تو لے لینا پھر انہوں نے دیت قبول کر لی۔

اگر قصاص کے بدلے زخمی کرنے والا کچھ فدیہ دینے پر راضی ہو جائے اور مجروح بھی قبول کرلے تو درست ہے

عَنْ عائشةَ انّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلّم بعثَ اباجُهمِ بن حذيفة مصدّقًا فلاقه رجُلٌ فی صدقته فضربهُ ابوجهمٍ فشجّهُ فاتوا النّبیّ صلی الله عليه وسلم فقالوا القود يا رسول الله فقال النبی صلی الله عليه وسلم لكم كذا وكذا فلَمْ يَرضَوا فقالَ لكم كذا فرضُوا فقالَ النّبی صلی الله عليه وسلم اِنّی خاطِبٌ عَلَی النّاس و مخبرهُم برضاكم قالوا نعم فخطب النّبیّ صلی الله عليه وسلّم فقال اِنّ هٰؤُلاءِ اللّيثيّين اتونی يريدون القود فعرضتُ عليهم كذا وكذا رضيتم قالوا لا فهمّ بهم المهاجرونَ فامر النّبیّ صلی الله عليه وسلّم ان يكفّوا فكفّوا ثُمّ دعاهم فزادهُم فقال ارضيتم؟ قالوا نَعَم قالَ اِنّی خاطِبٌ عَلَی النّاسِ و مُخبرُهم برضاكم قالوا نَعم فخطبَ النّبیّ صلی الله عليه وسلم ثُمّ قالَ اَرَضِيتُم قالوا نَعم قالَ ابن ماجة سمعتُ محمد بن يحيٰى يقولُ تَفرّدَ بِهٰذا معمرٌ وَلا اعلَمُ رواهُ غيرهُ[1]

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوجہم بن حذیفہ کو مصدق

---

[1] سنن ابن ماجہ۔ج: ۲، ص: ۸۸۱۔

مقرر کر کے بھیجا (مصدق وہ جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے) ان سے ایک شخص نے جھگڑا کیا، ابوجہم نے اس کو مارا، اس کا سَر پھوٹ گیا اور اس کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم قصاص چاہتے ہیں یا رسُولَ اللہ! آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اِس قدر مال قبول کرو وُہ راضی نہیں ہوئے پھر آپؐ نے فرمایا اچھا اتنا مال لو تب وہ راضی ہوئے، آپؐ نے فرمایا میں لوگوں کو خطبہ سُناؤں اور تمہاری رضامندی کی خبر دوں انہوں نے کہا بہت اچھا پھر آپؐ نے خطبہ سنایا اور فرمایا یہ لیث کے لوگ میرے پاس آئے اور قصاص چاہتے تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا اتنا مال لے لو کیا تم راضی ہو وہ بولے نہیں! (اس وقت اپنے اقرار سے پھر گئے اِس خیال سے کہ آپؐ اور زیادہ دیں گے) مہاجرین نے قصد کیا ان کو سزا دینے کا آپؐ نے خاموش رہنے کا حکم دیا وہ خاموش ہو گئے پھر آپؐ نے ان لوگوں کو بلایا اور کچھ زیادہ دینے کا اقرار کیا اور فرمایا کیا تم راضی ہو وہ بولے جی ہاں! آپ نے فرمایا: میں لوگوں کو خطبہ سُناؤں اور تمہاری رضامندی کی خبر اُن کو کر دوں، اُنہوں نے کہا جی ہاں پھر آپؐ نے خطبہ سُنایا اور پوچھا کیا تم راضی ہو، اُنہوں نے کہا جی ہاں! ابن ماجہ نے کہا میں نے محمد بن یحییٰ سے سُنا وہ کہتے تھے اس حدیث کو اکیلے معمر ہی نے روایت کیا، میں نہیں جانتا اِس کے سوا کسی اور نے بھی اس کو روایت کیا ہو۔

اعضاء کی دیّت

ہاتھ کی دیّت :

عن یعلی بن اُمیّۃ قال : غزوتُ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ تبوک فحملتُ علیٰ بکر فھو اوثق اجمال فی نفسی فاستاجرت اجیرًا، فقاتل رجلاً فعضّ احدھما ید الاٰخر فانتزع یدہٗ فی فیہ ونزع ثنیۃ فاتی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فاھدرھا کما یقضم الفحل[1]

حضرت یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں جنگ تبوک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے گیا میرے ساتھ میرا نوکر تھا وہ ایک آدمی سے لڑ پڑا، اور دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ ان میں سے ایک نے جب اپنا ہاتھ دوسرے کے منہ سے نکالا تو اس کے دانت گر پڑے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تاکہ اس سے معاوضہ دلوائیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ کو تیرے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ تو اس کو اونٹ کی طرح چبا ڈالتا۔

آنکھ کی دیّت :

عن ابی ھریرۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : لو اطّلع فی بیتك احدٌ ولم تاذن لہ فخذفتہ بحصاۃٍ، ففقأت عینہ، ما کان علیك جناحٌ[2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا : اگر کوئی تیرے گھر میں جھانکے اور تم سے اجازت نہ مانگے اور تو نے اسے پتھر سے زخمی کر دیا اور اس کی آنکھ نکل گئی تو تجھ پر کوئی حرج نہیں۔

---

[1] بخاری۔ ج : ۲، ص : ۲۴۲۔

[2] بخاری۔ ج : ۴، ص : ۳۲۰۔

عن عمرو بن شعیب رض عن ابیه عن جدہٖ قال : قضیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فی العین القائمة السَّادة لمکانها، بثلث الدیة[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ : جس کی آنکھ کی روشنی کسی کے مارنے سے ضائع ہوگئی ہو، اور آنکھ اپنی جگہ قائم ہو، تو نبی علیہ السلام نے اس کی دیت، ایک تہائی مقرر فرمائی ہے۔

ہاتھ اور پاؤں کی دیت :

عن ابن عباس رض قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دیة اصابع الیدین والرجلین سواءٌ، عشرة من الابل لکل اِصبع[2]

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر برابر ہے۔ ہر ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔

دانتوں اور انگلیوں کی دیت :

عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلے الله علیه وسلم : الاصابع سواءٌ والاسنان سواءٌ الثنیة والضرس سواءٌ هٰذه وهٰذه سواءٌ[3]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ساری انگلیاں (خوں بہا میں) برابر ہیں اور سارے دانت برابر ہیں۔ یعنی کچلیاں اور دانت برابر ہیں۔ چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔

عن انس قال : ان ابنة النضیر لطمت جاریة فکسرت ثنیتها، فاتوا النبی صلی الله علیه وسلم فامر بالقصاص[4]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بنو نضیر کی ایک لڑکی نے ایک لڑکی کا دانت توڑ ڈالا۔ اس لڑکی

---

[1] ابوداؤد۔ ج : ۴، ص : ۳۱۵ ۔ [2] ترمذی۔ ج : ۲، ص : ۴۲۵ ۔

[3] ابوداؤد۔ ج : ۴، ص : ۳۱۲ ۔ [4] بخاری۔ ج : ۴، ص : ۳۲۱ ۔

کے رشتہ دار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا۔

مختلف اعضاء کی دیت:

عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کتب الیٰ اھل الیمن وکان کتابہ وفی الانف اذا اوعب جدعہ الدیۃ وفی اللسان الدیۃ وفی الشفتین الدیۃ وفی البیضتین الدیۃ وفی الذکر الدیۃ وفی الصلب الدیۃ وفی العینین الدیۃ وفی الرجل الواحد نصف الدیۃ وفی المامومۃ ثلث الدیۃ وفی الجائفۃ ثلث الدیۃ وفی المنقلۃ خمس عشرۃ من الابل[1]۔

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کے باشندوں کے نام ایک خط لکھا جس میں یہ الفاظ تھے۔ "اگر کسی کی ناک پوری کاٹی جائے تو پورا خون بہا ہوگا۔ زبان کے کاٹے جانے پر بھی پوری دیت ہے۔ ہونٹوں پر بھی پوری دیت ہے۔ خصیوں پر بھی پوری دیت ہے۔ آلت پر بھی پوری دیت ہے۔ پیٹھ کی ہڈی پر بھی پوری دیت ہے۔ آنکھوں پر بھی پوری دیت ہے، ایک ٹانگ پر آدھی دیت ہے۔ پر تہائی دیت ہے۔ زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور زخم سے ہڈی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانے پر پندرہ اونٹ معاوضہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال: اقتتلت امرأتان من ھذیل فرمت احدھما الاخریٰ بحجر فقتلھا وما فی بطنھا فاختصموا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقضیٰ ان دیۃ جنینھا غرۃ عبد او ولیدۃ وقضیٰ ان دیۃ المرأۃ علیٰ عاقلھا[2]

حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں، ایک نے دوسری پر

[1] دارمی۔ ج: ۲۔ کتاب الدیات ص: ۱۹۲۔

پتھر مارا جس سے اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا۔ پھر وہ دونوں فیصلہ کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کے بچہ کا بدلہ غلام یا لونڈی کا غرّہ ہے اور عورت کے قتل کا بدلہ اس کے وارثوں پر ہے۔

جنین (اسقاطِ حمل) کی دیّت :

عن ابی هريرة قال : قضىٰ رسول الله صلے الله عليه وسلم فی جنين امرأةٍ من بنی لحيان سقط ميتا بغرّةٍ عبدٍ او اَمَةٍ، ثمّ ان المرأة التی قضىٰ عليها بالغُرّة تُوفّيت فقضىٰ رسول الله صلے الله عليه وسلم بانّ ميراثها لبنيها وزوجها وان العقل علىٰ عصبتها[1]۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے مردہ بچے کے پیٹ میں سے نکل جانے سے جو لڑائی کی وجہ سے پیٹ پر چوٹ لگنے پر نکل آیا تھا، غلام یا لونڈی کا غرّہ دینے کا حکم دیا۔ پھر اس عورت کے مرنے سے جس پر غرّہ دینے کا حکم آپ نے صادر فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے، اور خون بہا اس کے وارثوں پر۔

عن ابی هُريرةَ قَالَ قضىٰ رسُول الله صلى الله عليه وسَلّم فی الجنينِ بِغُرّةٍ عبدٍ او اَمَةٍ فقالَ الّذی قُضِیَ عليهِ : انعقلُ مَن لا شرِبَ ولَا اكَلَ، ولا صاحَ ولَا استهلّ، وَمِثلُ ذَالِكَ يُطَلُّ؟ فقالَ رَسولُ الله صلى الله عليه وسلّمَ : إنّ هٰذَا ليقولُ بقولِ شاعرٍ فيهِ غرّةٌ، عبدٌ او اَمَةٌ[2]۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ سے متعلق حکم دیا ایک غلام یا ایک لونڈی کا تو جس شخص سے آپ نے یہ دیت دلوائی (جب اس کی رشتہ دار عورت نے بنی لحیان کی ایک عورت کو مارا، اور اس کا بچہ مردہ ہو کر نکل پڑا) وہ بولا کیا ہم دیت دیں اُس کی جس نے نہ پیا، نہ کھایا، نہ رویا، نہ وہ چلّایا، اور بچہ تو لغو ہے

---

[1] سنن نسائی۔ ج۔ ۲، ص ۲۴۴۔ [2] ابن ماجہ۔ ج : ۲، ص : ۸۸۲۔

(یعنی ہدر ہے اس کی دیت دینا کیا ضروری ہے) آپ نے فرمایا: یہ تو شاعروں کا کلام کرتا ہے پیٹ کے بچہ میں ایک غلام ہے، یا ایک لونڈی۔

کافر کی دیت:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قضٰی اَنَّ عَقْلَ اَھْلَ الکتابَیْنِ نصف عقل المسلمین، وھم الیھود والنصارٰی[1]۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی کی دیت، مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔

معالج پر مریض کی دیت:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من تَطَبَّبَ ولا یعلم منہ طب فھو ضامن[2]

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو طبیب (معالج) ظاہر کرے، اور حقیقت میں وہ طبیب نہ ہو، (تو کسی نقصان کی صورت میں) وہی ذمہ دار ہوگا۔

تشریح: یعنی اگر کسی ایسے شخص نے جو مستند حکیم، یا ڈاکٹر نہیں ہے۔ یا اس نے فن طب (حکمت/ڈاکٹری) میں باقاعدہ سند حاصل نہیں کی، کسی مریض کا علاج کیا، اور اس کے غلط علاج سے وہ مریض مرگیا، یا اس کے جسم کا کوئی عضو ضائع ہوگیا، تو اس معالج پر اس نقصان کا تاوان لازم ہوگا۔

قاتل کا نشان نہ ملنے کی صورت میں دیت کون ادا کرے؟

عن رافع بن خدیج، قال: اصبح رجلٌ من الانصار مقتولاً بخیبر، فانطلق

---

[1] سنن ابن ماجہ۔ ج: ۲، ص: ۸۸۳۔ [2] ابو داؤد۔ ج: ۴، ص: ۲۲۰۔

اولیاءہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکروا ذٰلک لہٗ، فقال " الکم شاھدان یشھدان علیٰ قاتل صاحبکم؟ قالوا یا رسول اللہ، لم یکن ثم احد من المسلمین، وانما ھم یھود، وقد یجترؤن علیٰ اعظم من ھذا، قال فاختاروا منھم خمسین فاستحلفوھم" فأبوا فاداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ[1]۔

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص خیبر میں مارا گیا، اس کے وارث نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، آپؐ نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو مقتول کے قاتل کی گواہی دیں؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! اس جگہ کوئی بھی مسلمان موجود نہ تھا۔ باقی یہودی تو اس سے زیادہ کی جرأت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا تم ان یہودیوں میں سے پچاس آدمیوں کو منتخب کرو اور ان سے حلف لو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔

مصالحت :

عن ابی الدرداءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : مامن رجل یصابُ لشیءٍ فی جسدہٖ فیتصدق بہٖ اِلاَّ رفعہ اللہ بہٖ درجۃ وَحَطَّ عنہ خطیئۃ[2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ : جس شخص کو زخمی کیا گیا ہو، اور وہ بدلہ لینے کے بجائے اُس شخص کو معاف کردے جس نے اسے زخمی کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے درجے بلند کرتا ہے۔ اور اس کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : العجماء جرحھا جبارٌ، وَالبِئرُ جبارٌ، والمعدان جبارٌ[3]

---

[1] ابوداؤد۔ ج : ۴، ص : ۱۰۳۔ [2] جامع ترمذی۔ ج : ۲، ص : ۴۲۵۔ [3] ایضاً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوپایوں کا زخمی کرنا معاف ہے کنویں میں گر کر مرنا، یا کنواں کھودتے ہوئے ہلاک ہو جانا بے دیت ہے۔ (یعنی ان صورتوں میں کسی پر دیت نہیں ہے) ۔

تیسرا باب :

جرمیہ — اور جنایت

(دونوں کا باہمی فرق)

جرمیہ ۔ لغوی معنی :

جَرمَ یَجرُمُ جُرمًا ۔ کے معنی ہیں گناہ کرنے کے، حد سے بڑھنے کے، "جرم" کے معنی کاٹنے کے بھی ہیں ۔ گناہ، اور خطا کے بھی ہیں ۔ حدیث میں ہے : "اعظم المسلمین جرمًا من سأل عن شئ لم یحرم علیہ فحرم من اجل مسألتہ" مسلمانوں میں سب سے بڑا گنہ گار وہ مسلمان ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو پہلے سے حرام نہیں تھی، مگر اس کے سوال کے سبب وہ حرام ہوگئی ۔ اس حدیث میں جرم کے معنی گناہ کے ہیں ۔ قرآن حکیم میں بھی انہی معنی میں استعمال ہوا ہے : جو کذلک نجزی المجرمین ۔ اور ہم گناہ کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں ۔

اصطلاحی معنیٰ : فقہاء نے جرم، اور جرمیہ کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے کہ : ہر اُس فعلِ حرام کا ارتکاب کرنا جس کے کرنے پر سزا واجب ہوتی ہو ۔ یا کسی ایسے فعل کو ترک کرنا، جس کے ترک کرنے پر سزا دی جاتی ہو ۔

اسلامی شریعت کی رُو سے جرم کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں تو فوری طور پر سزا دی جاتی ہے ۔ اور آخرت میں بھی اس کے لیے سزا ہے ۔

جرمیہ کی جو تعریف کی گئی، شریعت کی اصطلاح میں اِثم، اور خطیئہ بھی اس میں شامل ہے ۔

اور جرم یا جرمیہ پہ اثم، اور خطیئہ کا بھی اطلاق ہوتا ہے ۔ جرمیہ کی جامع تعریف یہ ہے کہ : اللہ تعالیٰ کے اوامر، اور نواہی کی نافرمانی کرنا، خواہ اس نافرمانی کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں مقرر ہو، یا اُس کی سزا صرف آخرت میں ہو، اور دنیا میں اس کی کوئی سزا نہ ہو ۔ دونوں صورتوں میں جرمیہ،

معنی و مفہوم کے اعتبار سے اِثم ، اور خطیئہ کے مترادف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اُس شخص کے لئے ایک سزا مقرر کی ہے، جو اس کے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر یہ سزا دنیوی ہے تو دنیوی حکام مجرم پر اس کا نفاذ کریں گے اور اگر اس جرم کی سزا آخرت میں مقرر ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔

مختصر یہ کہ جریمہ اس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا نام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو اور اس کے مرتکب پر دنیا میں حد یا تعزیر کی سزا مقرر ہو۔

جنایت کے معنی : لغت کی رو سے جنایت کے معنی تعدی یعنی زیادتی کے ہیں، کسی معاملے میں حد سے گزرنا، تجاوز کرنا، تعدی کہلاتا ہے۔ فقہاء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ جنایت کے شرعی معنی کیا ہیں اور کیا شریعت کی زبان میں جریمہ اور جنایت ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں یا ان کے مدلول اور معانی میں فرق ہے اور جنایت جریمہ سے خاص ہے۔ بایں معنی کہ جنایت اس زیادتی کو کہا جاتے گا جو نفس یعنی کسی کی جان میں واقع ہو یا اس کے اعضاء میں۔ پہلی زیادتی کو قتل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری کو قطع یا جرح سے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ : جریمہ اور جنایت کے ایک ہی معنی ہیں۔ اُن کے مفہوم و مدلول میں کوئی فرق نہیں۔ ان فقہاء میں علامہ ماوردی رحمہ اللہ بھی ہیں۔

ابن فرحون کہتے ہیں کہ : وہ تعدی جو حد یا قصاص واجب کرنے والی ہو، جنایت کہلاتی ہے۔ جنایت کی پانچ صورتیں ہوں گی : جنایۃ علی النفس، جنایۃ علی المال، جنایۃ علی النسب اور جنایۃ علی العرض۔

حطاب جنایت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ : جنایت ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے والے کو یا دوسرے کو اس کا نقصان فوری طور پر پہنچے یا کچھ وقت گزرنے کے بعد۔

التاج اور الاکلیل میں ہے کہ : وہ جنایات جن کے ارتکاب سے سزائیں واجب ہوتی ہیں سات ہیں۔ ۱۔ بغاوت ۲۔ ارتداد ۳۔ زنا ۴۔ تہمتِ زنا ۵۔ چوری ۶۔ ڈاکہ و رہزنی ۷۔ شرب خمر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ جنایت، لفظ جریمہ کا ہم معنی ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

لیکن جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جریمہ اور جنایت کے معنی و مفہوم میں فرق ہے وہ کہتے

ہیں کہ: جریمہ وہ ہے جو حد، یا تعزیر کو واجب کرنے والا ہو، اور جنایت، اس جرم کو کہیں گے جس کے ارتکاب سے قصاص واجب ہوتا ہو۔ ان دونوں میں باہمی فرق کی وجہ یہ ہے کہ قصاص واجب ہونے کی صورت میں (مدعی کو) معافی، یا قصاص میں نرمی کا اختیار ہے۔ عدالت کے سامنے مقدمہ پیش ہونے سے پہلے بھی، اور پیش ہونے کے بعد بھی۔ لیکن حدود، جب حاکم کے سامنے (یا عدالت میں) پیش ہو جائیں تو ان میں معافی یا نرمی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ قصاص میں قاضی (منصف) کو اختیار ہے کہ وہ اس صورت میں بھی ثبوتِ جرم کا فیصلہ کر دے جب کہ ایک گونگا شخص اشارہ سے اپنے قاتل ہونے کا اقرار کرے۔ یا لکھ کر اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے، یا اس کا فلاں حصۂ جسم کاٹ ڈالا ہے، لیکن حدود، اس قسم کے اقرار و ثبوت سے ثابت نہیں ہوتیں اور نہ اُن پر سزا دی جا سکتی ہے۔

اِن وجوہ کی بنا پر جریمہ، اور جنایت کے درمیان فرق ثابت و واضح ہو گیا۔

جرم کے عمومی ارکان:

تعریفِ جرم کے سلسلے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ: جرائم حقیقت میں اُن شرعی ممنوعات کا نام ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو، اور ان کے ارتکاب پر کوئی حد یا تعزیر مقرر کی ہو۔ ممنوعات کے معنی یہ ہیں کہ:

ا۔ کسی ایسے عمل کو کرنا جس سے روکا گیا ہو۔ ۲۔ کسی ایسے عمل سے باز رہنا اور اس کو نہ کرنا جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ ان ممنوعات کو، ممنوعاتِ شرعیہ اس لیے کہا گیا ہے کہ نصوصِ شریعت سے ان کا ممنوع ہونا ثابت ہے، اور ان پر سزا بھی مقرر ہے۔ کیوں کہ بذاتِ خود کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا جرم نہیں ہے۔

اوامر، اور نواہی کیوں کہ شرعی ذمہ داریاں ہیں اس لیے ان کا مخاطَب ہر وہ شخص ہو گا جو عاقل و بالغ ہو، اور اس ذمہ داری کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کیوں کہ کسی کو، کسی حکم کا مکلف اور پابند بنانا بھی خطاب ہے۔ اور جس میں نہ عقل و فہم ہو، اور نہ اس میں خطاب کو سمجھنے کی صلاحیت ہو، اس کو مخاطَب بنانا ممکن نہیں ہے۔ جیسے حیوانات، اشجار، اور جمادات۔ کہ انہیں مخاطَب

نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح جو شخص نفسِ خطاب کو تو سمجھ سکے مگر اس کی تفصیلات سمجھنے سے قاصر ہو، اس کو بھی مخاطب نہیں بنایا جا سکتا جیسے مجنون، فاترالعقل، اور بچے۔ یہ بھی حیوانات و نباتات اور جمادات کی طرح ہیں۔ کیوں کہ کسی کو کسی امر کا پابند، ذمہ دار اور مکلف بنانے کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اصل خطاب کو سمجھتا ہو، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس کی بنیادی تفصیلات سے آگاہ ہو۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات معلوم و ثابت ہوئی کہ جرم کی عمومی لحاظ سے تین بنیادیں ہیں :-

الف : جرم سے باز رکھنے والا، اور اس کے ارتکاب پر سزا بیان کرنے والا کوئی نص (واضح حکم) موجود ہو، جسے آج کی قانونی اصطلاح میں جرم کی قانونی بنیاد کہا جاتا ہے۔

ب : کسی ایسے عمل کا ارتکاب جس کے کرنے یا نہ کرنے سے جرم بنتا ہو۔ اسے آج کی قانونی اصطلاح میں جرم کی مادّی بنیاد کہا جاتا ہے۔

ج : مجرم مکلف ہو۔ اُس سے اُس کے جرم کی باز پرس ہو سکے۔ اس پر قانون کا اجراء ہوتا ہو، اس شق کو جرم کی تادیبی بنیاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ ہیں جرم کے تین ارکانِ عامہ (یا عمومی ارکان) ان تینوں کا ہر جرم میں ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر جرم کی علیحدہ علیحدہ مخصوص بنیادوں کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اس جرم پر سزا دینا ممکن ہو سکے۔ جیسے جرمِ سرقہ (چوری کے جرم) میں کسی چیز کو چھپا کر لینے کا عمل، یا جرمِ زنا میں وطی (صحبت) کا عمل۔ اور اس کے علاوہ دوسری مخصوص بنیادیں جن پر جرائم قائم ہوتے ہیں۔

جرم کی عمومی بنیادوں اور جرم کی خصوصی بنیادوں میں فرق یہ ہے کہ عمومی بنیادیں ہر جرم میں یکساں ہوتی ہیں، جب کہ جرم کی خصوصی بنیادیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جدا جدا، اور مختلف ہوتی ہیں۔ فقہائے متقدمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے ہر جرم پر بحث کے دوران جرم کی عمومی اور خصوصی بنیادوں کو یکجا کر کے بیان کر دیا ہے۔ لیکن جب سے مغربی قوانین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کا دور شروع ہوا تو ماہرینِ فقہِ اسلامی نے، ان دونوں بنیادوں کو الگ الگ کر کے بیان کیا تاکہ عمومی اور خصوصی

بنیادوں کے درمیان جو فرق ہے، وہ مبہم نہ رہے۔

تقسیمِ جرائم :

شریعت نے بعض جرائم کے لیے سزائیں مقرر کی ہیں، اور بعض جرائم ایسے ہیں جن کی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ جن جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں، اُن سزاؤں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

الف : حدود۔

ب : قصاص و دیت۔

ج : تعزیرات۔

ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے، اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے۔ اور خالق کی نافرمانی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ، اور حق العبد دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت غالب ہے۔ اور احکام میں حکم کا مدار، غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسرے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے چند مخصوص جرائم کے علاوہ، باقی جرائم کی سزاؤں کا نہ تعین کیا ہے، اور نہ ان کے لیے کوئی خاص پیمانہ مقرر کیا ہے۔ بلکہ حکومت/قاضی/منصف/حاکم مجاز کو اختیار دیا ہے کہ وہ حالات اور زمانے کی مناسبت سے جیسی اور جتنی سزا مناسب سمجھے، مجرم کو دے دے۔ اسلامی شریعت نے یہ بھی گنجائش رکھی ہے کہ ہر علاقہ، اور ہر زمانے کی اسلامی ریاست شرعی اصول و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاضیوں (ججوں) کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا دے، اور جرائم کی سزاؤں کے لیے کوئی خاص حد، اور معیار مقرر کر دے کہ وہ اس دائرے میں رہتے ہوئے سزائیں دیں۔ یا قاضیوں کو کلی اختیار دے دیا جائے کہ حالات، اور جرم کی نوعیت کے مطابق سزا تجویز کریں۔

اب سمجھئے کہ قرآن اور سنت نے جن جرائم کی کوئی سزا معین نہیں کی بلکہ انھیں حکومت احکام

کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے، ان سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں "تعزیرات" کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں قرآن اور سنت نے معین کر دی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جن میں حق اللہ کو غالب رکھا گیا ہے۔

۲۔ جن میں حق العبد کو غالب رکھا گیا ہے۔

جن جرائم میں حق اللہ کو غالب رکھا گیا ہے، ان کی سزا کو "حد" کہتے ہیں۔ جس کی جمع "حدود" ہے۔

اور جن جرائم میں حق العبد کو غالب و مقدم مانا گیا ہے، ان کی سزا کو قصاص (اور دیت) کہتے ہیں۔

حدود اور قصاص کا حکم پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ خود قرآن حکیم نے بیان کر دیا ہے باقی تعزیری جرائم کی تفصیل سنتِ رسول سے ملتی ہے۔ اور کافی حد تک حکام وقت کی صواب دید کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن نے جن جرائم کی سزاؤں کو حق اللہ کے طور پر معین کیا ہے، ان کو "حدود" کہتے ہیں، اور جن جرائم کی سزاؤں کو بطور حق العبد مقرر کیا ہے، وہ قصاص (اور دیت) کہلاتی ہیں۔ اور جن جرائم کی سزاؤں کا تعین نہیں کیا، انھیں "تعزیر" کہا جاتا ہے۔

تعزیری سزائیں حالات کے مطابق ہلکی سے ہلکی، اور سخت سے سخت بھی دی جا سکتی ہیں۔ حاکم وقت مناسب سمجھے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔ لیکن حدود میں حکومت یا کسی حاکم کو معافی اور کمی بیشی کی مطلقاً اجازت نہیں ہے۔

شریعت نے پانچ جرائم کی سزاؤں کو "حد" کہا ہے:

۱۔ چوری، ۲۔ ڈاکہ و رہزنی، ۳۔ زنا، ۴۔ تہمتِ زنا، ۵۔ شراب نوشی، اول الذکر چار جرائم کی سزائیں نصِ قرآنی سے ثابت ہیں، اور پانچویں جرم کی سزا اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔

ان جرائم کی سزاؤں کو معاف کرنے کا اختیار جیسے حکومت اور حکام کو نہیں ہے، اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا معاف نہیں ہوتی۔ صرف آخرت کا عذاب اور گرفت مخلصانہ توبہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ ڈاکہ اور رہزنی کی سزا کو مستثنیٰ کیا ہے کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ

کرلے، اور حالات وشواہد اس کی توبہ کی توثیق کرنے والے ہوں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ گرفتاری کے بعد توبہ معتبر نہ ہوگی اور نہ ہی ایسی توبہ سے حد ساقط ہوگی۔ اس کے علاوہ دوسری حدود کی دنیوی سزائیں توبہ سے معاف نہیں ہوتیں خواہ گرفتاری سے پہلے کی ہو یا گرفتاری کے بعد۔ حدود میں سفارش کرنا، اور حاکم کے لیے سفارش ماننا حتیٰ کہ سننا بھی جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت فرمائی ہے۔

یہ بات جو بیان کی گئی کہ: ڈاکو اگر گرفتاری سے پہلے مخلصانہ توبہ کرلے تو حد ساقط ہو جائے گی، اس سے فقہاء کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ مجرم کو کلیتہً رہا کر دیا جائے گا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ "حد" ساقط ہوگی۔ مگر حاکم مجاز حالات اور جرم کی نوعیت کے پیشِ نظر مجرم کو تعزیری سزا دے گا۔

حد سرقہ میں بہت سی صورتیں ایسی ہیں جہاں فقہاء لکھتے ہیں کہ چور سے "حد" ساقط ہوجائیگی (چوری ثابت ہونے کے باوجود) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ "حد" اگرچہ ساقط ہوگی مگر اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

کیا قصاص و دیت، حدود میں داخل ہیں ـــ؟

کیا قصاص و دیت حدود میں داخل ہیں، یا ان کو حدود سے خارج مانا جائے۔ اس بارے میں فقہاء کے مسالک اور آراء مختلف ہیں۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قصاص اور دیت، حدود میں داخل نہیں ہیں اس لیے کہ قصاص اور دیت کے موجبات (اسباب) جنایات میں سے ہیں، حدود کے جرائم میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا قصاص کو حدود میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ جمہور فقہاء کی راجح رائے یہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں حد اُس معین اور مقرر سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر دی جاتی ہے، یعنی حد اللہ کا حق ہے۔ اور قصاص بندہ کا حق ہے، تو جس طرح تعزیر کو حَد، نہیں کہا جا سکتا اسی طرح قصاص اور دیت کو بھی حد نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ تعزیر کو شریعت متعین نہیں کرتی، اس کا تعین حکومت اور قاضی (حاکم مجاز۔ منصف) پر منحصر ہے۔

اور جرائم حدود میں دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

اوّل : یہ کہ یہ جرم حق اللہ میں زیادتی ہو۔ (مجرم نے اللہ کا حق پامال کیا ہو)۔

دوسرے : یہ کہ یہ سزا خود شریعت نے معین و مقرر کی ہو، اس میں حکومت، یا حاکمِ مجاز کے لیے کسی قسم کی ترمیم کی کوئی رعایت اور گنجائش نہ چھوڑی ہو۔

دوسری رائے : قصاص اور دیت کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قصاص بھی حدود کی قبیل سے ہے، اور حدود میں داخل ہے۔ جن فقہاء کی یہ رائے ہے وہ لوگ حد کی ایسی عام تعریف کرتے ہیں جس میں قصاص اور دیات کے جرائم اسی طرح شامل ہو جاتے ہیں جس طرح زنا، سرقہ، اور شرب خمر کے جرائم شامل ہیں۔

یہ لوگ حد کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ : حد وہ سزا ہے جس کو شریعت نے مقرر و معین کیا ہو۔ برابر ہے کہ وہ سزا کسی ایسے فعل کی ہو جو اللہ کا حق ہو، یا بندہ کا حق ہو۔ قصاص اگرچہ بندہ کا حق ہے اس لیے کہ بندہ کو سزا (اپنا حق) معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن قتل کے نتیجہ میں قصاص کی جو سزا ہے، وہ تو شریعت ہی کی طرف سے مقرر و معین ہے۔ تو یہ اس بنا پر "حد" شمار کی جائیگی کہ اس کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ (تعزیر کی طرح حکومت یا حاکم مجاز کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ نہ حکومت کو اس میں ترمیم اور معافی کا اختیار ہے)۔

اس رائے کی بنیاد پر جرائم حدود کی دو قسمیں ہو جائیں گی۔

۱۔ ایک وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش موجود ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش نہیں ہے۔

وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، وہ ہیں : سرقہ، رہزنی، زنا، تہمتِ زنا، ارتداد، اور بغاوت۔

اور جن جرائم کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش ہے، وہ ہیں : قتل کرنا، کسی انسان کے اعضاء کو کاٹنا، زخمی کرنا۔

حد کی پہلی تعریف میں حدِّ اجتماعی کو ملحوظ رکھا گیا ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حد ایسی سزا ہے جو شریعت نے مقرر کی ہے۔

اور دوسری تعریف میں صرف ایک چیز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ یہ کہ وہ شریعت نے مقرر کی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس میں معافی کی گنجائش ہے یا نہیں۔؟

حدود کی پہلی تعریف فقہاء میں زیادہ مشہور رہے، اور جمہور فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اس تعریف کی بنیاد پر قصاص، اور دیت، حدود میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان تفصیلات کی رُو سے اور اس رائے کو اختیار کرنے کے بعد کہ قصاص و دیت، حدود میں شامل نہیں ہیں۔ یہ بات ثابت ہوئی کہ جرائم کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جن کے ارتکاب پر حد ہے۔

۲۔ جن کے ارتکاب پر قصاص یا دیت ہے۔

۳۔ جن کے ارتکاب پر تعزیر ہے۔

شریعت نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کیں، اور بعض کی نہیں۔؟

شریعت نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کر دی ہیں، اور ان کی معافی، یا ان میں ترمیم و تنسیخ کے حق سے حکومت اور عدالت کو محروم کر دیا ہے۔ اور بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزائیں از خود شریعت نے مقرر نہیں کیں، ان کو حکومت اور عدالت کے حوالہ کر دیا اور حاکم مجاز کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان بنیادی جرائم کی سزاؤں کا تعین کر دیا ہے جو نسل انسانی کو شر اور فساد سے بچانے کے لیے ضروری ہیں، جن کا تعلق ہر دور، اور ہر حالات سے ہے، اور وہ ہر قسم کے معاشرے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف کو برقرار رکھنا، انسان کی جان، مال، اور عزت و آبرو کا احترام کرنا، دین کی حفاظت کرنا، معاشرہ کو فساد اور افراتفری سے بچانا۔ ان بنیادی جرائم کی سزائیں خود شریعت نے مقرر کی ہیں۔ اس کے علاوہ جو جرائم ہیں ان کا احاطہ اور شمار ممکن نہیں، ہر روز نئے نئے حوادث پیش آتے ہیں، نئے نئے فتنے ابھرتے ہیں، اور لوگ طرح طرح کے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔ اس قسم کے فروعی اور نوع بنوع پیش آنے والے جرائم کی سزاؤں کو حکومتِ وقت، اور عدالت کے حوالہ کر دیا۔ کہ وہ ملکی اور

معاشرتی حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے جس قسم کی سزا مناسب سمجھیں، مجرم کو دے دیں۔
جو سزائیں حکومت اور عدالت کے دائرۂ اختیار میں رکھیں، ان کے لیے اصول کی نشاندہی کر دی تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو، اور لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

۱۔ کسی جرم کی سزا تجویز کرنے میں مسلمانوں کا، اور عام لوگوں کا مفاد ملحوظ ہو، اور شریعت کے جو تقاضے ہیں ان کو نظرانداز نہ کیا گیا ہو بلکہ پورے طور پر ان کی رعایت ہو۔

۲۔ "لاضرر ولاضرار" کا کلیہ پیشِ نظر ہو۔ یعنی نہ دوسرے کو اس کے جرم سے زیادہ نقصان اور تکلیف دی جائے۔ اور نہ خود کو کسی نقصان میں مبتلا کیا جائے۔

۳۔ فیصلہ میں عدل و انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔ میانہ روی سے کام لیا جائے۔ نہ سختی برتی جائے، اور نہ حد سے زیادہ مہلت اور سُستی ہو۔

۴۔ فیصلہ میں لوگوں (مدعی، مدعیٰ علیہ، یا جرم میں ملوث دیگر لوگوں) کے درمیان برابری کا سلوک کیا جائے۔ کسی کی حیثیت، فیصلہ پر اثرانداز نہ ہو، امیر و غریب، اور حاکم و محکوم کا فرق نہ کیا جائے۔

"جرم اور جنایت" کی مذکورہ بالا بحث حسب ذیل کتب سے اخذ و خلاصہ کر کے لکھی گئی ہے:

۱۔ تفسیر مظہری۔ تفسیر آیات: ۳۳، ۳۴۔ سورہ المائدہ۔
۲۔ معارف القرآن۔ (مفتی محمد شفیع رح) تفسیر آیات: ۳۳، ۳۴۔ سورۃ المائدہ۔
۳۔ القصاص، الدیات، العصیان المسلح فی الفقہ الاسلامی۔ (شیخ احمد الحصری استاد الفقہ والقانون جامعۃ الازہر قاہرہ، مصر) بابِ اوّل۔ (م، م، ص)

چوتھا باب

اقسامِ قتل

تعریفات

مطابق :

حنفی مسلک

مالکی مسلک

شافعی مسلک

حنبلی مسلک

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قتلِ ناحق

دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قانون ایسا نہیں ہے جس میں انسانی جان کا احترام نہ کیا جاتا ہو اور ناحق کسی شخص کی جان ضائع کرنا جرم عظیم نہ ہو۔ لیکن تمام مذہب اور تمام قوانین سے بڑھ کر اسلام نے انسانی جان کو قابل احترام قرار دیا ہے۔ اور قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی جان کو قابلِ احترام، اور قابل حفاظت قرار دیا، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ وہ "مسلم" ہو۔ نسلِ انسانی کا کوئی بھی فرد ہو اس کی جان کی، اور اس کی زندگی کی حفاظت کرنا حکومت، اور معاشرہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

قرآن حکیم کی گیارہ آیات میں حرمتِ قتل، اور قصاص کا ذکر ہے۔ اور پوری وضاحت کے ساتھ ہے۔ اس میں کوئی اجمال وابہام نہیں۔ قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے:

یا ایّھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ، فمن عفی لہٗ من اخیہ شیءٌ فاتباعٌ بالمعروف واداءٌ الیہ باحسان، ذٰلک تخفیف من ربکم و رحمۃ، فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک فلہٗ عذاب الیم ٥ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔

اے ایمان والو! تمہارے اوپر مقتول کے بارے میں خون کا بدلہ خون مقرر کیا جاتا ہے، بایں طور کہ آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام، اور عورت کے بدلہ عورت، اگر قاتل کو مقتول کے بھائی کی طرف سے اس کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو دستور کے مطابق پیروی کرو، اور بھلائی کے ساتھ ادائگی کرو، یہ تمہارے رب کی جانب سے آسانی اور رحمت ہے، اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے عقل مندو! تمہارے لیے حکم قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم

(البقرہ ۱۷۸، ۱۷۹) (خون ریزی سے بچو۔

قرآن نے اپنے اس واضح اور صریح حکم پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ناحق کسی انسان کو قتل کرنے کی برائی اور ہولناکی کو مختلف انداز اور پیرایوں میں بیان کیا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ نزول قرآن، اور نبی علیہ السلام کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ میں انسانی جان کی کوئی قدر وقیمت نہیں تھی، معمولی جھگڑے کی خاطر سیکڑوں انسانی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں، اسلام تمام عالم کے لیے امن وسلامتی کا پیغام بن کر آیا، پیغمبر اسلام کو قرآن نے تمام جہانوں کے لیے رحمت، کہا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کی کائنات میں جو اس کی اشرف ترین مخلوق ہے، سب سے زیادہ بے وقار ہو، اُس کے خون کی کوئی قدر وقیمت نہ ہو۔

ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا۔ اور ایک آدمی کے بچانے کو پوری نسلِ انسانی کو حیات بخشنے کے ہم معنی کہا:

من قتل نفسًا بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعًا۔ (المائدہ، ۳۲)	جو شخص کسی کو کسی کی جان کے عوض کے بغیر، یا زمین میں فساد پھیلانے کے عوض کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو مار ڈالا، اور اور جس نے ایک جان کو بچالیا، اس نے گویا سارے انسانوں کو زندگی بخش دی۔

یہ تو ایک عام انسان کے قتل کا معاملہ تھا، خواہ اس کا کوئی بھی عقیدہ اور مسلک ہو۔ یگانہ وبیگانہ سب کی جان قابل احترام تھی۔ لیکن جو اللہ کے اطاعت گزار، اور اس کے رسول ﷺ کے وفا شعار بندے ہیں، ان کی جان اور بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ایسے کسی فرد (مومن) کے ناحق قتل کی اللہ تعالیٰ نے تین شدید ترین سزائیں مقرر کیں۔ اور ان تینوں کو وضاحت کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر کیا: ۱۔ خلود فی جہنم، ۲۔ استحقاق غضب ولعنت، ۳۔ وہ عذاب شدید جو کافروں اور منکروں کے لیے تیار کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

من یقتل مومنًا متعمدًا فجزاءه جهنم خالدًا فیها وغضب الله	اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ پڑا رہے گا اسی میں، اور

علیہ ولعنہٗ واعدلہ عذابًا عظیمًا۔	اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اس کو لعنت کی، اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

(النساء، ۹۳)

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن کے ناحق قتل کی بہ نسبت اللہ کے نزدیک پوری دنیا کا تباہ ہو جانا زیادہ آسان ہے۔"

نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی مؤمن کے قتل میں ایک حرف برابر بھی مدد کی وہ قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہو گا: "اللہ کی رحمت سے ناامید"

قتلِ ناحق کے بارے میں جو فقہی مسالک ہیں، اور ان کی جو تفصیلات ہیں، وہ آئندہ صفحات میں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

اقسامِ قتل

تشریح :

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قتل کی صرف دو قسمیں ہیں۔ (قتل عمد، اور۔ قتل خطاء)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قتل کی تین قسمیں ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قتل کی تین قسمیں ہیں۔

اولاً، اور بنیادی طور پر فقہِ حنفی کے مطابق اقسامِ قتل کی تعریف، اور اُن پر مرتب ہونے والے اصولی احکام کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دیگر فقہی مسالک کے مطابق اقسامِ قتل، اور ان کی تعریفات بیان کی جائیں گی!

اقسامِ قتل۔ (حنفی مسلک)

۱۔ قتلِ عمد
۲۔ قتلِ شبہِ عمد
۳۔ قتلِ خطاء
۴۔ قتل قائم مقام خطاء
۵۔ قتل بسبب

تشریح :

قتل سے اِس مقام پر وُہ قتل مراد ہے جس پر شریعت کے احکام مرتب ہوتے ہیں، محض فعلِ قتل، اور اس کی تفصیلات مراد نہیں[1]۔

اِن اقسام سے قتل کی وہ اقسام مراد ہیں جو ناحق ہوں، اور شریعت کے احکام اُن سے تعلق رکھتے ہوں۔ مثل قصاص، دیت، کفارہ، اور میراث سے محرومی وغیرہ[2]۔

---

[1] ہدایہ۔ ج ۴، ص: ۵۵۸، ۵۵۹۔ [2] کتاب الاختیار۔ ص: ۱۵۵۔

قتل، پانچ قسموں میں کیوں منحصر ہے۔؟

قتل کو پانچ قسموں میں (حنفی مسلک کی رُو سے) منحصر کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ اس کے علاوہ قتل کی اور کوئی قسم نہیں، حالانکہ قتل کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً: زنا میں سنگسار کرنا، کافروں کو دورانِ جنگ مارنا، مرتد کو قتل کرنا، قتل کے بدلہ قتل کرنا، ڈاکوؤں کو پھانسی دینا، اس سے معلوم ہوا کہ پانچ قسموں سے مراد قتل کی وہ قسمیں ہیں جن میں تاوان لازم آتا ہے (خواہ وہ قصاص کی صورت میں ہو، دیت کی یا کفارہ کی)۔[1]

فقہ حنفی کی رُو سے اس قتل کو پانچ قسموں میں کیوں منحصر کیا گیا، جس پر شریعت کے احکام مرتب ہوتے ہیں، مثل قصاص، دیت، کفارہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قتل، یا عمل کے ذریعے سے واقع ہوگا، یا سبب کے ذریعے سے، عمل کے ذریعے سے جو قتل واقع ہوگا، اُس میں قاتل کا مقصد مارنا ہوگا۔ یا مارنا نہ ہوگا۔

جو قتل، قاتل کے ارادہ سے ہوگا:

اگر اس میں ہتھیار، یا مثل ہتھیار کے کوئی چیز استعمال کی گئی ہے تو وہ "قتلِ عمد" ہے۔

اگر ہتھیار، یا مثل ہتھیار کے کوئی چیز استعمال نہیں کی گئی تو وہ "شبہِ عمد" ہے۔ اور:۔

جس صورت میں قاتل کا مقصد مارنا نہیں ہے تو:

اگر فعل کا ارادہ کیا ہے تو یہ "قتل خطاء" ہے۔

اور اگر فعل کا ارادہ نہیں کیا تو "قتل قائم مقام خطاء" ہے۔

اور۔ اگر قتل اِس طریقہ پر واقع ہو کہ کوئی واقعہ، یا عمل ایسا کرے کہ وہ کسی کی ہلاکت کا سبب (اور ذریعہ) بن جائے تو یہ "قتل بسبب" یا "قتل تسبیب" کہلائے گا۔[2]

قتلِ عمد:

تعریف! وہ قتل، جو قصداً وارادۃً کسی دھاردار ہتھیار سے، اور قتل کرنے کے ارادہ سے

---

[1] کتاب الاختیار۔ ص: ۱۷۷، ۱۷۸۔ [2] حواشی ہدایہ۔

قتل کیا جائے، یا ایسی چیز سے جو دھار دار آلہ کے قائم مقام ہو۔ جیسے دھار دار لکڑی، بانس کا پھرٹا، پتھر کا باریک دھار دار کنارہ، یا مثلاً آگ میں جلا دینا، بجلی کے کرنٹ، اور زہر سے ہلاک کرنا۔

اور اِس قتل کو قتلِ عمد، اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "عمد" کے معنیٰ قصد، اور ارادہ کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ قصد اور ارادہ کی خبر اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔ اور وہ دلیل ایسے دھار دار اور مہلک آلہ کا استعمال کرنا ہے جو قتل کا ذریعہ بنا، لہٰذا ایسی صورت میں قاتل قصداً اور بالارادہ قتل کرنے والا سمجھا جائے گا[1]

تعریف "۲" ۔ امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ قتلِ عمد کی تعریف یوں کرتے ہیں:

اگر کسی شخص کے کوئی ایسی چیز ماری گئی، جو انسان کو ہلاک کرنے میں عام طور پر تاخیر نہیں کرتی، جیسے بہت وزنی پتھر، بہت بڑی اور بھاری لکڑی، اس لئے کہ اتنی بھاری اور بڑی چیز مارنے سے کسی کو ہلاک کرنے کے علاوہ، اور کوئی قصد نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر موت واقع ہوگئی تو "قتلِ عمد" کہلائے گی[2]

تعریف "۳"۔ قتلِ عمد وہ ہے جو بالارادہ ہتھیار کی ضرب سے ہو، یا جو چیز اجزائے جسم کو جدا کر ڈالنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہو۔ جیسے دھار دار لکڑی، پتھر، بانس کی کھپاچ، آگ وغیرہ[3]

قتلِ عمد کے نتائج:

اور اس قتل عمد کا نتیجہ، اور اس پر مرتب ہونے والا حکم، اور ثمرہ، گنہ گار ہونا ہے۔ اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها[4]۔

نیز اِس بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں۔ (جیسا کہ باب نمبر "۲" میں تفصیلاً مذکور ہیں)۔

اور اسی پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

اور قتلِ عمد کا دوسرا نتیجہ حکم، قصاص ہے، اُس دلیل کی رو سے جو کہ قرآن حکیم میں مذکور

---

[1] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۵۹۔ [2] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۶۰۔

[3] فتاویٰ عالمگیری، ج: ۹، ص: ۲۹۴-۴۔

ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى[1] (یعنی اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کردیا گیا ہے۔) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو "قتلِ عمد" کی قید کے ساتھ مقیّد کیا گیا ہے، کیوں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے: (العمد قود) قتلِ عمد کا حکم، قصاص ہے،" نیز اس وجہ سے کہ جنایت اور جُرم، اسی عمد اور قصد کی صورت میں کامل ہوتا ہے۔

قتلِ عمد کے احکام:

۱۔ اور قتلِ عمد کے احکام میں سے یہ ہے کہ قاتل (اگر مقتول کے ورثاء میں سے ہے) مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

۲۔ صرف اُس صورت میں قصاص نہیں جب مقتول کے ورثاء قصاص معاف کردیں، یا کسی اور چیز پر مصالحت کرلیں۔ کیوں کہ قصاص کا حق، مقتول کے اولیاء اور ورثاء ہی کے لئے ہے[2]۔

۳۔ پھر یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص ہی واجب و لازم ہونے کی حیثیت سے معیّن ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مقتول کے ولی (سرپرست) کو قاتل کی رضامندی کے بغیر دیت لینے کا حق نہیں ہے۔ اس کی دلیل وہ آیت ہے جو ابھی تلاوت کی گئی "کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى" اور وہ حدیث دلیل ہے جس کا ابھی حوالہ دیا گیا، یعنی: العمد قود" (قتل عمد کا حکم قصاص ہے) لہٰذا قتلِ عمد میں اصل حکم قصاص ہی قرار دیا جائے گا۔

۴۔ نیز قصاص لینے میں زندوں کے لئے مصلحت ہے کیوں کہ اس سے قاتل (اور دوسرے لوگوں) کے لئے شدید تنبیہ اور عبرت ہے، اور ایسی ہی سزا سے قتل جیسے جرم کا سدِّباب ہوسکتا ہے۔ لہٰذا قصاص ہی متعین ہوگا۔ قرآن کریم نے قصاص کو حیات اور زندگی سے تعبیر کیا۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ[3]۔

---

[1] سورۃ البقرہ، آیۃ: ۱۷۸۔ [2] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۵۹۔

[3] سورۃ البقرہ، آیۃ: ۱۷۹۔

(اے عقل والو! قصاص میں تمہارے لئے ایک عظیم زندگانی ہے)۔

۵۔ قتلِ عمد میں کفارہ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ قتلِ عمد محض گناہِ کبیرہ ہے، اور کفارہ میں ایک حیثیت سے عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ لہذا کفارہ، قتل جیسی چیز کے ساتھ مربوط نہیں ہو سکے گا۔

۶۔ قتل عمد کے احکام، اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج وثمرات میں سے ایک چیز میراث سے محروم ہو جانا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قاتل کے لئے کوئی میراث نہیں ہے۔[1]

تشریح: یعنی اگر قاتل، مقتول کا وارث ہے تو اب اپنے جرم قتل کی وجہ سے اس کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔ اس بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد واضح دلیل ہے، جو کہ متن میں نقل کیا گیا، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت جابر بن عبداللہ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی فتوے ہے۔

۷۔ قاتل اور ورثائے مقتول کی باہمی رضامندی کی صورت میں مال واجب ہوتا ہے، نیز اُس صورت میں بھی مال واجب ہوتا ہے جب شبہ کی وجہ سے قصاص لینا مشکل ہو جائے۔[2]

قتلِ شبہِ عمد:

تعریف! امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتلِ شبہِ عمد کی تعریف یہ ہے کہ: قصد، اور ارادہ کے ساتھ ایسی چیز سے مارے جو ہتھیار نہیں ہے، اور نہ ہی وہ چیز قائم مقام ہتھیار کے ہے۔[3]

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ، قتلِ شبہِ عمد کی تعریف یوں کرتے ہیں: "قصد اور ارادہ کے ساتھ ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کی موت واقع نہیں ہوتی۔"[4]

---

[1] ہدایہ ج: ۴، ص: ۵۵۹۔ [2] فتاوٰی عالمگیری ج: ۹، ص: ۲۹۴۔

[3] احکام القرآن، جصاص۔ ج: ۲، ص: ۲۲۸۔ [4] مثلاً کوڑے سے مارا۔ ہلکی لاٹھی یا چھوٹے ڈنڈے سے، یا تھپڑ سے۔ (الاختیار، ج: ۳، ص: ۱۵۷)۔

اس مذکورہ بالا صورت کو "قتل شبہ عمد" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ۔ ایسا آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے جس سے کہ عام حالات میں انسان ہلاک نہیں ہوتا، قصداً اور بالارادہ قتل کرنے کے معنی ادھورے اور ناتمام رہ جاتے ہیں، کیوں کہ ایسے آلہ کے ذریعے مارنے سے قتل کرنے کے علاوہ دوسرا مقصد بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً تادیب، ڈرانا، خوف زدہ کرنا، لہٰذا اگر ایسے آلہ سے مارنے کی صورت میں موت واقع ہوگئی تو وہ "قتل شبہ عمد" کہلائے گا[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل کہ ایسی معمولی چیزوں کی ضرب سے جس سے عام طور پر آدمی مرتا نہیں قتل شبہ عمد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک ہے: ألا إن قتيل خطاء العمد قتيل السوط والعصا، وفيه مائة من الابل[2] "آگاہ ہوجاؤ، کہ قتل شبہ عمد سے وہ شخص مقتول ہے جو کوڑے، اور لاٹھی سے مقتول ہو، اور اس میں ایک سو اونٹ دیت ہے۔

ابوحنیفہ رح کی دوسری دلیل: کہ یہ آلہ نہ تو قتل کے لئے مہلک ہتھیار کی طرح وضع ہوا ہے، اور نہ بطور عادت اس کام (قتل) کے لئے مستعمل ہے۔ اس لئے کہ ناگہانی طور پر جس کا قتل مقصود ہے، اُس میں ایسے آلہ کا استعمال ممکن نہیں ہے، اور قتل کا وقوع اور حصول عام طور پر کسی ایسی چیز کے استعمال سے ہوا کرتا ہے جو قتل میں فوری طور پر مؤثر ہو۔

تو اُس آلہ (جو شبہ عمد کی صورت میں قتل کا ذریعہ بنا ہے) کی نوعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لامحالہ قصد، اور ارادہ کے ساتھ قتل کرنے کا مفہوم نامکمل اور ناتمام رہے گا۔ جیسے کہ کوڑے اور ڈنڈے وغیرہ سے ہلاک کردیتے ہیں۔ (تمام ائمہ کے نزدیک شبہ عمد ہے، اسی طرح وزنی پتھر اور بھاری لکڑی یا لاٹھی سے ہلاک کرنا بھی شبہ عمد کہلائے گا[3]۔)

قتل شبہ عمد پر مرتب ہونے والے احکام:

۱:۔ اور ایسے قتل (شبہ عمد) پر مرتب ہونے والا حکم، امام ابوحنیفہ رح اور صاحبین (ابویوسف،

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۰۔ [2] نیز نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: کل شئ خطاء الا السیف، وفی کل خطاء أرش "ماسوا تلوار (یعنی ہتھیار) کے ہر چیز خطاء ہے، اور ہر خطا میں دیت ہے"

[3] ہدایہ ج ۴، ص: ۵۶۰، ۵۶۱۔

محمد بن حسن شیبانی) کے اقوال کی بنا پر ایک تو سخت گناہ ہے، کیوں کہ اس نے مقتول کو قتل کیا ہے، ایسی حالت میں کہ اس کے مار ڈالنے کے فعل میں وہ ارادہ کرنے والا تھا (نہ یہ کہ ضرب اس کے ارادہ کے بغیر واقع ہو گئی ہو)۔

۲:۔ قتلِ شبہِ عمد پر مرتب ہونے والا دوسرا حکم، کفارہ کا واجب ہونا ہے۔ اس لئے کہ اس قتل کو قتلِ خطاء کے ساتھ مشابہت ہے۔

۳:۔ تیسرا یہ حکم مرتب ہوگا کہ قاتل کی مددگار برادری پر دیتِ مغلظہ واجب ہوگی[۱]

۴:۔ قتلِ شبہِ عمد کے نتیجے میں چوتھا یہ حکم مرتب ہوگا کہ قاتل کا مقتول کی میراث سے محروم ہونا ثابت ہو جائے گا۔ کیوں کہ میراث سے محرومی اس قتل کی سزا ہے، اور اس میں شبہ کا پیدا ہونا، سقوطِ قصاص کے معاملہ میں تو مؤثر ہے، مگر میراث سے محرومی کے بارے میں مؤثر نہیں ہے[۲]۔

تشریح: خلاصہ یہ کہ قتلِ شبہِ عمد، خواہ امام ابو حنیفہ کی تعریف کے اعتبار سے ہو یا ابو یوسف اور محمد رح کی تعریف کے اعتبار سے، چار باتوں کی مقتضی ہے، اور اس پر چار نتائج مرتب ہوتے ہیں:

اوّل: قاتل کا گنہ گار ہونا۔

دوسرے: کفارہ کا واجب ہونا۔

تیسرے: قاتل کی مددگار برادری پر دیت مغلظہ واجب ہونا۔

چوتھے: قاتل کا میراث سے محروم ہونا۔

اس مقام پر قانون کلی یہ ہے کہ ہر وہ دیت جو ابتداءً قتل ہی کی وجہ سے لازم ہوتی ہو، نہ یہ کہ کسی ایسے سبب کی بنا پر جو بعد میں پیش آنے والا ہو، تو ایسی صورت میں دیت، قاتل کی مددگار برادری پر لازم ہوتی ہے قتلِ خطاء کی صورت پر قیاس کرتے ہوئے[۳]

تشریح: جس طرح قتلِ خطاء میں دیت، مددگار برادری پر واجب ہوتی ہے، اسی طرح قتلِ شبہِ عمد میں بھی دیت، مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

اور اس دیت کی ادائگی تین سال کے اندر لازم ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

---

[۱] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۶۱، [۲] ایضاً۔

[۳] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۶۱۔

فیصلہ کی وجہ سے[1]۔ (تین برس فیصلہ کے وقت سے شمار ہوں گے۔ احکام القرآن، ج ۲، ص: ۲۲۵)۔

تشریح: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کہ قاتل کی مددگار برادری پر تین سال کے اندر دیتِ مغلظہ ادا کرنا واجب ہے، اصولِ شریعت کی رُو سے حجت لازمہ ہے۔ کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تم پر میری سنت کو اختیار کرنا لازم ہے، اور اسی طرح میرے خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے جو ہدایت یافتہ ہیں، دوسرے یہ کہ جو امور قیاسی نہیں ہوتے ان میں صحابہ کا قول بھی حدیث مرفوع کی طرح حجت ہوتا ہے۔

اِس پر چاروں ائمہ مجتہدین (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کا اجماع ہے[2]۔

اور نفس تلف کرنے سے کم میں "شبہِ عمد" نہیں ہے[3]۔

جان تلف کرنے میں جو شبہِ عمد قرار دیا گیا ہے، وہ جان تلف کرنے سے کم میں عمد ہے[4]۔

تشریح:

۱۔ یعنی قتل شبہِ عمد میں بھی قتل عمد کی طرح قاتل اگر مقتول کی وراثت کا حق دار ہے، تو اس کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔ قتل میں شبہ کا جو پہلو پیدا ہوا ہے وہ قصاص کے بارے میں اثرانداز ہوگا، یعنی شبہ کے سبب قصاص کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ لیکن قتل کے باعث وراثت سے محرومی کا جو حکم تھا، وہ شبہ کے سبب ساقط نہیں ہوگا، بلکہ باقی رہے گا۔

۲۔ قتلِ خطاء:

قتلِ خطاء کی دو صورتیں ہیں:

اوّل: خطا فی القصد، یعنی فاعل کے قصد اور ارادہ میں خطاء، اور غلطی واقع ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر تیر چلایا (یا فائر کیا) یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ شکار ہے، مگر اتفاق سے وہ آدمی نکلا، یا یہ کہ کسی شخص کو حربی کافر سمجھتے ہوئے نشانہ بنایا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۱۔ [2] احکام القرآن۔ جصاص۔ ج: ۲، ص: ۲۲۵۔

[3،4] فتاوی عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۲۹۴۔

وہ مسلمان ہے۔ (تو یہ قصد اور ارادہ کی خطاء ہے کہ وہ شکار نہ تھا بلکہ آدمی تھا، اسی طرح وہ حربی کافر نہ تھا بلکہ مسلمان تھا۔

دوسری قسم: قتلِ خطاء کی دوسری صورت باعتبار فعل کے ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی نے نشانہ پر تیر مارا لیکن وہ کسی آدمی کے لگ گیا (نشانہ چُوک جانے کی وجہ سے) یا کسی شخص نے لکڑی چیرنے کی خاطر کلہاڑی لکڑی پر ماری، لیکن ہاتھ بہک جانے کی وجہ سے، یا اُس کا لوہا نکل جانے کے سبب وہ کسی آدمی کے سر پر لگ گئی، اور اس ضرب سے وہ شخص ہلاک ہوگیا تو یہ قسم، "قتلِ خطاء فی الفعل" ہوگی۔

اور اس قتل (قتلِ خطاء) کا موجب، اور مقتضیٰ، کفارہ ہے۔ اور قاتل کی مددگار برادری پر دیت کا لازم ہونا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: فتحریر رقبة مؤمنة[1] یعنی قتلِ خطاء کا کفارہ ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا ہے[2]۔

اور قاتل کی مددگار برادری پر جو دیت لازم ہوگی، وہ تین سال کے اندر ادا کرنا ضروری ہوگی، اس دلیل کی بنیاد پر جو ابھی قتلِ شبہ عمد کے باب میں بیان کی گئی۔ (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ[3])۔

قتلِ خطاء کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں، یعنی خطاء چاہے ارادہ اور قصد کے اعتبار سے ہوئی ہو، یا خطاء فعل میں واقع ہوئی ہو۔ قاتل کے ذمہ گناہ نہیں ہے۔ (کیوں کہ اِس وقت یہ شخص بالارادہ قتل کا ارتکاب کرنے والا نہیں ہے۔)۔

فقہاء (رحمہم اللہ) کہتے ہیں کہ۔ اِس مقام پر یہ کہنا کہ: "قاتل پر گناہ نہیں ہے" اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ قتل کا گناہ فاعل کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن یہ صورت اپنی اصل اور ذات سے گناہ سے خالی نہیں کیوں کہ یہ شخص تیر چلانے (فائر کرنے) کے فعل میں پختگی، مہارت، اور احتیاط کو چھوڑ دینے کا مرتکب ہوا ہے (جو ظاہر ہے کہ ایک قصور اور گناہ ہے) یہی وجہ ہے کہ قتلِ خطاء کی دونوں صورتوں میں کفارہ مشروع و لازم کیا گیا ہے۔

---

[1] سورۃ النساء، آیۃ: ۹۲۔

[2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۱، [3] ایضاً۔

قاتل کو مقتول کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ قتلِ خطاء کی صورت میں بھی بہر کیف قصور، اور کوتاہی واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا میراث سے محروم کرنا درست ہو گا[1]۔

۴۔ قتل قائم مقام خطاء:

قتل کی چوتھی قسم، قائم مقام خطاء ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص سویا ہوا تھا، اُس نے کروٹ لی، اور کروٹ بدلتے ہوئے کسی دوسرے شخص پر گر گیا، اور اس کے بوجھ سے وُہ شخص ہلاک ہو گیا۔ تو اس صورت کا وہی حکم ہے جو قتلِ خطاء کا ہے کہ کفارہ اور دیت لازم آئے گی اور یہ شخص قتل کے گناہ کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا[2]۔

کوئی شخص کسی عمارت کی چھت پر سے کسی شخص پر گرا، جس پر گرا، وہ مر گیا، یا اوپر کھڑے ہوئے ایک شخص کے ہاتھ سے چھوٹ کر کوئی اینٹ، پتھر، یا لکڑی وغیرہ کسی شخص پر گری اور وہ اس کی ضرب سے مر گیا، یا ایک شخص کسی سواری کے جانور پر سوار تھا، اور جانور نے کسی آدمی کو کچل دیا، اور وہ مر گیا، تو ان تینوں صورتوں میں قصاص لازم نہیں ہو گا، دیت، اور کفارہ واجب ہو گا، اور میراث سے محروم کیا جائے گا[3]۔

۵۔ قتل بسبب:

قتل کی پانچویں قسم، قتل بسبب ہے۔ یعنی قتل کسی سبب کے پیش آجانے کے باعث ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کی مِلک میں کوئی گڑھا کھود دیا، اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہو گیا، یا کسی کی زمین (یا جگہ۔ راستہ) میں کوئی بھاری پتھر ڈال دیا، کسی کو اس سے ٹھوکر لگی، اور وہ مر گیا، تو یہ قتل، "قتل بسبب" کہلائے گا، اور اس صورت

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۱۔ [2] یہ صورت عمد اور شبہِ عمد کی تو ظاہر ہے کہ نہیں ہے، خطاء بھی نہیں ہے بلکہ اتفاق ہے کیوں کہ اس میں فاعل کے ارادہ اور فعل کو مطلقاً کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے اس صورت کو فقہائے احناف نے ایک مستقل صورت قرار دے کر " قائم مقام قتل خطاء " کا نام دیا۔

[3] فتاوی عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۲۹۵۔

میں مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی۔ کیوں کہ اس شخص نے ہلاکت کا سبب پیدا کیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ یہ اپنے اس فعل میں تجاوز اور زیادتی کرنے والا ہے (کہ دوسرے کی ملک میں گڑھا یا کنواں کھودا، یا پتھر ڈالا) لہٰذا یہ شخص اس درجے میں قرار دیا جائے گا کہ خود یہی اس کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

اس صورت میں کفارہ نہیں، اور نہ ہی میراث سے محروم کیا جائے گا۔[1]

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۱۔

اقسام قتل: (شافعی مسلک)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُس قتل کی تین قسمیں ہیں جس پر قصاص، دیت اور کفارہ وغیرہ کے احکام مرتب ہوتے ہیں:

۱ قتلِ عمد

۲ قتلِ شبہِ عمد

۳ قتلِ خطاء

(۱) **قتلِ عمد:** کوئی شخص، کسی کو ایسے آلہ (ہتھیار) سے مارے جس کی ضرب سے عام طور پر انسان مر جاتا ہے، اور اس ضرب سے اس کو مارنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو، تو یہ قتلِ عمد کہلائے گا۔

(۲) **قتلِ شبہِ عمد:** کوئی شخص، کسی کو ایسی چیز سے مارے جس سے عام طور پر آدمی نہیں مرتا جیسے کوڑا، معمولی ڈنڈا، لیکن اس چیز کی ضرب سے وہ مر جاتا ہے تو یہ قتلِ شبہِ عمد ہوگا۔

(۳) **قتلِ خطاء:** کسی شخص نے کسی درخت پر کوئی چیز ماری اور وہ کسی آدمی کے لگ گئی اور اس سے اس آدمی کی موت واقع ہوگئی۔ یا کسی شکار کی طرف تیر (یا گولی) چلایا، اور وہ بجائے شکار کے کسی آدمی کے جا لگا، اِس سے اُس کی موت واقع ہوگئی، تو قتلِ خطاء کہلائے گا۔[۱]

تشریح:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قتل کی تین قسمیں ہیں، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی، مگر میں نے دونوں کو الگ الگ بیان کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تعریفات میں فرق ہے، امام شافعی رحہ نے تینوں اقسام کی جداگانہ تعریف کی ہے، اور امام احمد بن حنبل نے جو تعریف کی ہے، وہ اس سے مختلف ہے، اور ان کی تعریفات میں زیادہ وضاحت اور تفصیل ہے۔

شافعی مسلک کے مطابق قتلِ عمد کی تعریف نمبر: ۲-

مسلکِ شافعی کی رو سے "قتلِ عمد" کی ایک اور تعریف کی گئی ہے، جو کہ حسب ذیل ہے:

---

[۱] الاقناع، ج: ۲، ص: ۱۵۲-۱۵۴

"کوئی شخص، کسی شخص کے بالارادہ ایسا ہتھیار مارے جس سے عام طور پر خون بہ جاتا ہے، اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور لوگ اس ہتھیار کے بارے میں یہ سمجھتے ہوں کہ یہ زخمی کرنے اور قتل کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً دھار دار لوہا، تلوار، چھری، خنجر، نیزہ، یا انہی کی طرح کی اور کوئی چیز۔ تو اگر کسی کے قصد اور ارادہ کے ساتھ ایسا ہتھیار مارا، اور اس کی ضرب سے موت واقع ہوگئی تو یہ قتل عمد ہوگا[1]

شرائطِ وجوبِ قصاص:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قتل عمد میں قصاص واجب ہونے کی پانچ شرائط ہیں۔

۱۔ قتل کرنے والا بالغ ہو۔ بچہ نہ ہو۔

۲۔ قتل کرنے والا عاقل ہو۔ پاگل اور دیوانہ نہ ہو۔

۳۔ قتل کرنے والا، مقتول کا باپ نہ ہو۔

۴۔ مقتول، کفر کے سبب، یا غلامی کے سبب قاتل سے کم رتبہ نہ ہو۔

۵۔ مقتول، ایمان کی وجہ سے یا امان، عہد، اور ذمہ کی وجہ سے محفوظ و مامون ہو[2]۔

---

[1] کتاب الام۔ ج: ۶، ص: ۴۔

[2] الاقناع۔ ج: ۲، ص: ۱۵۵، ۱۵۶۔

اقسامِ قتل (حنبلی مسلک)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے نزدیک قتل کی تین اقسام ہیں :

۱ - قتلِ عمد

۲ - قتلِ شبہِ عمد

۳ - قتلِ خطاء

قتلِ عمد : کسی لوہے سے، بڑی لکڑی سے، خیمہ وغیرہ کے بانس سے، یا ایسے بڑے (بھاری) پتھر سے جس کے مارنے سے عام طور پر آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہو، یا چھوٹی لکڑی بار بار مارنے سے، یا کسی ایسے فعل سے جو عام طور پر اتلافِ جان کا سبب بن جاتا ہو، اگر مارا، اور موت واقع ہو گئی تو "قتلِ عمد" کہلائے گا۔

قتلِ عمد کی دو صورتیں ہیں :

پہلی صورت : ایسا تیز، اور دھار دار آلہ مارے جو جسم کو کاٹ دے، اور جسم میں داخل ہو جائے۔ جیسے تلوار، چھری، اور نیزہ، یا وہ اشیاء جو انہی کی طرح تیز ہوں، اور زخمی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں جیسے لوہا، سیسہ، چونا، سونا، چاندی، شیشہ، پتھر، گنا، بانس، لکڑی، وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک کے ذریعے اگر کسی کو زخمی کر دیا، اور شدید زخم آیا، جس سے موت واقع ہو گئی تو یہ قتلِ عمد ہو گا۔

اگر زخم چھوٹا ہے، اور حجام کے اُسترے، سوئی کی نوک، یا کانٹے سے زخمی کیا ہے، اگر زخم ایسی جگہ پر ہے جس سے مرنے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً استرا، سوئی، یا کانٹا آنکھ میں، دل میں، کوکھ میں، کان میں چبھا دیا، اور اس سے موت واقع ہو گئی تو یہ بھی قتلِ عمد ہو گا۔ کیوں کہ ان اشیاء سے ایسی جگہ پر زخم پہنچانا جہاں زخم موت کا سبب بن سکتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گا جیسے جسم کے کسی حصّہ پر چھری سے زخم کر دیا ہو، اگر زخم گہرا ہے تو وہ بڑے زخم کی طرح ہو گا اس لئے کہ اس سے بھی تکلیف شدید ہوتی ہے، اور بسا اوقات بڑے زخم کی طرح ایسے چھوٹے زخم سے (جو گہرا ہو) موت واقع ہو جاتی ہے۔

اگر زخم گہرا نہیں ہے، یا کسی بڑی چیز سے چھوٹا زخم ہوا ہے، مثلاً حجّام کا اُسترا مارا، یا اس کے علاوہ اور کوئی چیز ماری، تو اگر زخم کا اثر باقی تھا اور اس شخص کی موت واقع ہو گئی تو ہمارے (حنابلہ) نزدیک قصاص واجب ہو گا۔ کیوں کہ قرین قیاس یہی ہے کہ موت اِسی زخم کے سبب واقع ہوتی ہے[۱]

دوسری صورت :

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے آلہ سے قتل کیا جو دھار دار نہیں ہے۔ لیکن اس قسم کا ہے کہ اس کے ذریعے مارنے سے عام طور پر انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ تو اس صورت میں بھی قصاص واجب ہو گا۔

امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زہری، امام نخعی، ابن ابی لیلیٰ، حماد، اور ابن سیرین رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے (جو مذکور ہوئی)[۲]

قتلِ شبہِ عمد: اگر کسی شخص نے کسی کے چھوٹی لکڑی ماری، یا چھوٹا پتھر مارا، یا اس کے جسم میں کوئی چیز چبھودی، یا اور کوئی ایسا عمل کیا جس کے کرنے سے آدمی عام طور پر مرتا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ شخص مر گیا، تو اس میں قصاص لازم نہیں آئے گا، قاتل کی مدد گار برادری پر دیت لازم ہو گی۔ اور یہ قتل، قتلِ شبہِ عمد کہلائے گا۔ کیوں کہ اُس نے اِس شخص کو جو ضرب پہنچائی ہے، وہ ایسی ہے کہ اُس نے اِس ضرب سے قتل کا ارادہ نہیں کیا بلکہ محض اس کو تکلیف پہنچانے، زیادتی کرنے، یا تادیب و تنبیہ کا ارادہ کیا ہے، تو اس کی نوعیت ایسی ہو جائے گی جیسے کوڑے سے مارا جائے، یا ڈنڈے سے یا چھوٹے پتھر سے، یا ہاتھ سے، بہر کیف ان تمام صورتوں میں جن میں عام طور پر موت واقع نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص مر گیا تو وہ قتل، شبہِ عمد ہو گا۔ کیوں کہ مارنے والے نے محض ضرب کا ارادہ کیا ہے، قتل کا ارادہ نہیں کیا۔ اِس صورت میں قصاص واجب نہیں ہو گا۔ مدد گار برادری پر دیت واجب ہو گی۔

---

[۱] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۳۷، ۶۳۸۔ [۲] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۳۸۔

[۳] المغنی، ج: ۷، ص: ۶۵۰۔

قتلِ خطاء : قتلِ خطاء کی دو قسمیں ہیں :

اوّل : یہ کہ ایسا فعل کیا جس سے وہ کسی کو قتل کرنے کا قطعًا ارادہ نہیں رکھتا تھا، مگر اتفاق سے اس فعل کی وجہ سے کوئی شخص قتل ہوگیا۔ مثلاً کسی شکار پر تیر چلایا (یا فائر کیا) یا تیر کسی نشانہ پر مارا، مگر وہ شکار پر یا نشانہ پر لگنے کے بجائے کسی انسان کے لگ گیا، اور اس سے وہ شخص مرگیا، تو یہ قتلِ خطاء ہوگا۔ اس میں قصاص واجب نہیں ہوگا۔ قاتل کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی، اور قاتل کے مال میں سے کفارہ دینا واجب ہوگا۔

دوئم : قتلِ خطاء کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے دارالحرب میں کسی شخص کو کافر سمجھتے ہوئے قتل کردیا، حالاں کہ وہ شخص اسلام لاچکا تھا، اور اس انتظار میں تھا کہ دارالحرب سے رہائی کی کوئی صورت ہو، اور یہاں سے نکل کر دارالاسلام جاؤں تو اپنا اسلام ظاہر کروں، تو اس صورت میں قتل کرنے والے پر نہ قصاص لازم ہوگا، اور نہ دیت، صرف کفارہ واجب ہوگا، جو کہ ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ قرآن کریم کے ارشاد کی رُو سے :

" وان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ۔"[1]

ترجمہ : پھر اگر مقتول تھا ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ اور خود وہ مسلمان تھا، تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی "

---

[1] سورۃ النساء، آیۃ : ۹۲۔ [2] المغنی، ج : ۷، ص ۶۵۱، ۶۵۲۔

اقسامِ قتل

اور

اُن پر مرتب ہونے والے احکام

(خلاصہ)

۱۔ قتلِ عمد

۲ قتلِ شبہِ عمد

۳ قتلِ خطاء

۴ قتل قائم مقام خطاء

۵ قتل بسبب

قتلِ عمد		احکام
الف	:	شدید گنہ گار ہونا۔
ب	:	قصاص واجب ہونا۔
ج	:	مقتول کی میراث سے محروم ہونا

قتلِ شبہِ عمد۔ احکام :

الف : شدید گنہ ہونا۔

ب : مددگار برادری پر دیتِ مغلظہ کا واجب ہونا۔

ج : کفارہ واجب ہونا۔

د : مقتول کی میراث سے محروم ہونا۔

قتلِ خطاء۔ احکام :

الف : مددگار برادری پر دیت لازم ہونا۔

ب : کفارہ لازم ہونا۔

ج : قاتل کا مقتول کی میراث سے محروم ہونا۔

قتل قائم مقام خطاء۔ احکام :

الف : دیت کا لازم ہونا۔

ب : کفارہ واجب ہونا۔

قتل بسبب۔ احکام :

الف : قاتل کی مددگار برادری پر دیت لازم ہونا۔

جان کے بدلے جان کو قتل کیا جائیگا

(ایک مفید اور ضروری بحث)

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۷۸ ، یعنی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ" سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے، یا آزاد مرد کسی غلام کو قتل کر دے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیوں کہ اسی آیت کے شروع میں" القصاص فی القتلیٰ" کا جملہ موجود ہے، جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کی مزید وضاحت سورۂ مائدہ کی اس آیت سے ہوتی ہے جس میں" اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" کا جملہ آیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جان کے بدلے جان کو قتل کیا جائے گا، اس میں کوئی تخصیص نہیں، قاتل خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت میں شبہ اس بنا پر ہوتا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت کا ذکر ہے، عورت کے بدلے مرد، اور غلام کے بدلے آزاد کا ذکر نہیں ہے۔

قرآن کریم کا یہ ارشاد ایک واقعہ کی بنیاد پر ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

" زمانۂ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں کے درمیان جنگ ہو گئی تھی، جس میں دونوں طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے، مقتولین میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، آزاد لوگ بھی تھے اور غلام بھی، ورثاء کے درمیان قصاص و دیت کا جھگڑا چل رہا تھا کہ اسلام کا دور آ گیا، اور ان دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا، اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولین کے قصاص کی بات شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو زیادہ با اثر تھا، اس نے کہا: ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی قتل نہ کیا جائے۔ اور ہماری عورت کے بدلے تمہارا مرد نہ قتل کیا جائے۔ ان کے اس ناروا مطالبہ کو رد کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

"الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ" جس کا مقصد اُن کے مطالبہ کو رد کرنا تھا کہ غلام کے بدلے آزاد، اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے، اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے یہ عادلانہ قانون نافذ کیا کہ جس نے قتل کیا ہے، وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اگر عورت قاتل ہے تو اس کے بجائے مرد کو، اور غلام قاتل ہے تو اس کے بجائے آزاد کو قتل کرنا، بہت بڑا ظلم ہے۔ ہر صورت میں قصاص، قاتل سے لیا جائے گا۔ عورت مرد، اور غلام آزاد کی تمیز کے بغیر[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ ج: ۱، ص: ۲۰۹۔

پانچواں باب :

کن صورتوں میں قصاص لیا جائے گا؟

تشریح :

اس باب میں وہ جزوی مسائل، اور صورتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں قصاص لیا جاتا ہے۔ لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں ائمہ اربعہ میں سے بعض کے نزدیک قصاص ہے، اور بعض کے نزدیک قصاص نہیں ہے۔ جن اماموں کے نزدیک قصاص ہے ان کا مسلک اس باب میں ذکر کر دیا، اور جن فقہی مسالک میں قصاص نہیں ہے، ان کی تفصیل اگلے باب میں مذکور ہے، البتہ ضمناً کہیں کہیں دیت کے مسائل بھی آ گئے ہیں، لیکن بنیادی طور پر وہ مسائل جن میں قصاص نہیں، دیت، کفارہ، یا تاوان ہے، وہ اگلے باب میں مذکور ہیں۔

اگر کسی مسئلہ کا حکم دونوں ابواب میں آگیا ہو تو اس سے کوئی الجھن اور شک وشبہ پیدا نہ ہونا چاہیئے۔

کن صورتوں میں قصاص لیا جائے گا :-

آزاد کے بدلہ آزاد، اور غلام کے بدلہ غلام قتل کیا جائے گا۔

ہر اس شخص کو قتل کرنے سے قصاص واجب ہوتا ہے جس کا خون ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہو، جب کہ اُس کو قصد، اور ارادہ سے مارا گیا ہو [مثلاً مسلمان شخص، اور وہ غیر مسلم جس کو اسلامی حکومت نے مستقل طور پر پناہ (امن) دی ہو]۔ ؎

آزاد شخص کے بدلے میں آزاد شخص کو قتل کیا جائے گا، نیز غلام کے قصاص میں بھی آزاد

؎ ہدایہ - ج : ۴، ص : ۵۶۲ --

شخص کو قتل کیا جائے گا۔[1]

امام شافعی رحہ کے نزدیک :

آزاد شخص کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔[2]

غیر مسلم ذمی کے بدلے مسلمان قتل کیا جائے گا :

غیر مسلم ذمی کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔[3]

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک :۔

مسلمان کو، غیر مسلم ذمی کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔[4]

اگر ایک متامن نے دوسرے متامن کو قتل کر دیا تو اُس کے قصاص میں اُسے قتل کیا جائے گا[5]

تشریح :۔

یعنی اسلامی ریاست کے ایک غیر مسلم شہری نے دوسرے غیر مسلم شہری کو قتل کر دیا تو قاتل، مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

معتوہ کے سرپرست کا قصاص[6] :۔

اگر کسی معتوہ [جس کے دماغ میں دیوانگی ہو] کا سرپرست عمداً قتل کیا گیا، تو اِس معتوہ کے باپ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ قاتل کو قصاص میں قتل کرے، جب کہ یہ معتوہ بحق قرابت مقتول کے قصاص کا وارث ہو۔ اور باپ کو یہ بھی اختیار حاصل ہوگا کہ وہ حق قصاص میں سے کسی مقدارِ مال پر صلح کر لے۔ کیوں کہ معتوہ کے حق میں یہ بات زیادہ بہتر ہوگی کہ بجائے قصاص کے، قاتل سے مال پر مصالحت کر لے، لیکن باپ کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ قاتل کو معاف کر دے۔ اس لئے کہ اِس صورت میں معتوہ کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے[7]

[1،2،3] ہدایہ۔ ج : ۴، ص : ۵۶۲۔ ، [4] المغنی۔ ج : ۷، ص : ۶۵۲۔۔ [5] ہدایہ۔ ج : ۴، ص : ۵۶۳۔۔

[6] بدایۃ المجتہد۔ ج : ۲، ص : ۴۳۳۔۔ [7] ہدایہ۔ ج : ۴، ص : ۵۶۴۔۔

معتوہ کے سرپرست کو معاف کرنے کا اختیار نہیں:

اور ایسا ہی حکم ہے اگر معتوہ کا ہاتھ عمداً کاٹ دیا گیا، اسی بیان کردہ دلیل کے پیش نظر کہ معتوہ کا باپ اپنے بیٹے کا متولی ہونے کی حیثیت سے قصاص لے گا، اور اگر چاہے تو مقدارِ دیت پر ہاتھ کاٹنے والے سے صلح کرلے، اور اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ جنایت کرنے والے کو معاف کردے۔ کیوں کہ اس میں معتوہ کی حق تلفی لازم آئے گی۔[۱]

اور ان تمام معاملات میں سرپرست، باپ کے درجہ میں ہے، مگر فرق یہ ہے کہ سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں کہ قاتل کو قصاص میں قتل کرے۔ کیوں کہ سرپرست کو معتوہ کے نفس پر ولایت نہیں ہے۔ اور قصاص لینا، از قسم ولایتِ نفس ہے۔ اور اس اطلاق اور عموم کے تحت نفس کے عوض میں صلح کرنا، اور ہاتھ پاؤں کا قصاص لینا بھی داخل ہے کہ ان امور میں بھی سرپرست کا درجہ وہی ہے جو باپ کا بیان کیا گیا، [امام محمد رحمہ اللہ نے صرف قتل کا استثناء کیا ہے کہ اس معاملہ میں سرپرست کو باپ کے درجہ میں نہیں رکھا جائے گا][۲]

سرپرست کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ قاتل کو بغیر کسی معاوضہ کے معاف کردے۔ بلا کسی عوض کے قاتل کو معاف کردینے کا اختیار (معتوہ) مقتول کے باپ کو بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں معتوہ کی حق تلفی ہے۔ لہٰذا سرپرست بدرجہ اولیٰ اس کا حق دار نہ ہوگا۔[۳]

قاضی بمنزلہ باپ کے ہے، نابالغ کے حق میں:۔

اور اس حکم میں نابالغ بچہ بھی معتوہ کی طرح ہے۔ اور قاضی بمنزلہ باپ کے ہے۔ کیونکہ حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قتل کردیا جائے، اور اس کا کوئی سرپرست نہ ہو تو قاضی (حاکم) اس کا قصاص لے گا۔

جن چیزوں کا اختیار باپ کو حاصل ہوتا ہے، انہی چیزوں کا اختیار قاضی کو بھی حاصل ہوتا ہے۔[۴]

---

[۱] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۵۔ [۲] ایضاً۔ [۳،۴] ایضاً۔

کدال اور بیلچہ سے ہلاک کرنے کی سزا:

اگر کسی شخص نے کسی کے کدال یا بیلچہ مارا، اور اس ضرب سے وہ شخص ہلاک ہوگیا۔
اگر مقتول پر کدال یا بیلچہ کا لوہا لگا ہے، اور لوہا لگنے کے سبب ہلاکت ہوگئی ہے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ (اور اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا)۔

اور اگر مقتول کے جسم پر لوہا نہیں لگا بلکہ اس کی لکڑی یا دستہ لگا، اور اس کے لگنے سے موت واقع ہوگئی تو پھر قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ قاتل پر دیت لازم ہوگی۔

مصنفِ ہدایہ کہتے ہیں کہ:

کدال اور بیلچہ کا لوہا لگنے سے ہلاکت کی صورت میں قاتل پر قصاص اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ لوہے کی دھار لگی ہو، اور اس سے زخمی ہوکر مقتول کی موت واقع ہوئی ہو۔

اور اگر مقتول کے جسم پر لوہے کی پشت لگی ہو، اور اس کی چوٹ اور صدمہ سے مرا ہو (نہ کہ زخم لگنے کے بعد) تو امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک اس صورت میں بھی قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ رح سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

امام ابو حنیفہ رح سے ایک قول یہ منقول ہے کہ:

کدال اور بیلچہ کا لوہا پشت کی جانب سے لگنے پر ہلاک ہونے کی صورت میں قصاص اُس وقت لازم ہوگا جب کہ اس کی ضرب نے زخمی کر دیا ہو۔

اگر کدال یا بیلچہ کی لکڑی مار کر ہلاک کیا تو قاتل پر دیت لازم ہوگی[1]

ترازو کے باٹ یا پلڑے سے ہلاک کرنا:

اگر کسی نے کسی کو ترازو (لوہے) کے باٹ یا پلڑا مار کر ہلاک کیا، تو اگر لوہے کی نوک

---

[1] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۵۶۵۔

سے زخمی ہو کر موت واقع ہوتی ہے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر چوٹ اور صدمہ سے مرا تو قصاص لازم نہیں ہوگا، صرف دیت واجب ہوگی[1]

پہاڑ سے یا اونچی جگہ سے گرا کر ہلاک کرنا:۔

اگر کسی شخص نے کسی کو پہاڑ پر سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا، یا کسی اونچی چھت پر سے، یا دیوار پر سے گرا دیا، اور یہ شخص نیچے گر کر ہلاک ہو گیا، تو یہ قتل عمد ہوگا۔ اور گرانے والے (قاتل) سے قصاص لیا جاتے گا[2] (یہی حنفی مسلک ہے)۔

آگ یا پانی میں گرا کر ہلاک کرنا:

اگر ایک شخص نے کسی کو آگ میں دھکا دے دیا (پھینک دیا) اور اس شخص کے لئے اس میں سے نکلنا ممکن نہ ہوا، خواہ یہ شخص اس آگ میں سے اس لئے نہ نکل سکا کہ یہ بہت تیز اور دہکی ہوئی تھی، یا اس لئے نہ نکل سکا کہ آگ میں پھینکنے والا خود باہر موجود تھا اور اس کو نکلنے نہیں دے رہا تھا، یا یہ شخص اپنی کمزوری اور وحشت کی وجہ سے باہر نکلنے پر قادر نہ ہوا، کوئی بھی صورت ہو۔ اور یہ شخص آگ میں جل کر مر گیا، تو آگ میں پھینکنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔ اور یہ قتل عمد کے حکم میں ہوگا[3]

اسی طرح اگر کسی نے کسی شخص کو پانی میں گرا دیا، نہر ہو، ندی ہو، دریا ہو یا کنواں، یا اور کوئی جمع شدہ پانی، جس میں ڈوبنے سے انسان عام طور پر ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو اگر یہ شخص پانی میں ڈوب کر مر گیا تو پانی میں ڈبونے والے پر قصاص لازم ہوگا۔ ڈوبنے والا شخص خواہ بچہ ہونے کی وجہ سے، پانی کی سطح گہری ہونے کی وجہ سے، نہر دریا، کنویں کے کنارے اونچے ہونے کی وجہ سے باہر نہ نکل سکا ہو، یا گرانے والا شخص باہر موجود ہو، اور اس کے باہر آنے میں مانع ہو، کوئی بھی صورت ہو۔ یہ قتل عمد ہوگا، اور قصاص واجب ہوگا[4]

---

[1] ایضاً۔ [2،3] المغنی۔ج: ۷، ص: ۶۴۱۔

[4] المغنی۔ج: ۷، ص: ۶۴۱، فتاویٰ عالم گیری۔ج: ۹، ص: ۲۹۷۔

اگر دریا میں ڈبو دیا، اور وہاں اس کو مچھلی (یا کسی دریائی جانور نے ہلاک کر دیا) اور اس پانی میں سے نکلنا بھی ممکن نہ تھا، تو اس صورت میں، پانی میں ڈبونے والے پر قصاص لازم ہوگا[۱]
اگر کسی شخص نے کسی بڑے آدمی کو، یا کسی نابالغ بچّہ کو دریا، یا سمندر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا تو امام شافعی، امام ابو یوسف، اور امام محمد کے نزدیک غرق کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔
فرق یہ ہے کہ امام ابو یوسف، اور امام محمد کے نزدیک قصاص قاتل کی گردن کاٹ کر لیا جائے گا، اور امام شافعی کے نزدیک قاتل کو پانی میں ڈبو کر، اور غرق کر کے ہلاک کیا جائیگا۔ اس کی وجہ وہ اصول ہے کہ قاتل نے مقتول کو جس طرح قتل کیا ہے، قاتل کو قصاص میں اسی طرح قتل کیا جائے۔ امام شافعی اسی اصول کے قائل ہیں[۲]
اگر کسی نے کسی شخص کو باندھ کر کسی ایسی جگہ میں ڈال دیا جہاں عام طور پر دریا، یا سمندر، یا برساتی پہاڑی ندی نالوں کا اتنا پانی آجاتا ہے کہ اس کی رو اور طغیانی میں بہ کر آدمی ہلاک ہو جاتا ہے، اور یہ آدمی اسی طرح کا پانی آجانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا، اور بندھا ہوا ہونے کی وجہ سے اس کے لئے بھاگنا ممکن نہ ہوا۔ تو اس صورت میں اُس شخص پر جس نے اِسے پانی کے راستہ میں باندھ کر ڈالا ہے، قصاص واجب ہوگا۔ اور یہ قتلِ عمد کے حکم میں ہوگا۔
لیکن اگر وہ جگہ ایسی ہے جہاں عام طور پر ایسا پانی نہیں آتا جو آدمی کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائے، اور پانی آنے کے سبب بندھا ہوا شخص ہلاک ہو جائے تو یہ "شبہِ عمد" ہوگا۔ اور باندھ کر ڈالنے والے پر قصاص لازم نہیں ہوگا، دیت واجب ہوگی[۳] یہ حنبلی فقہ کے مطابق ہے۔
اگر ایک شخص نے کسی کو آگ میں ڈالا، پھر اُس کو اس میں سے نکال لیا، اس وقت اس میں جان باقی تھی، وہ مرا نہیں تھا، اس کے چند روز بعد تک وہ زندہ رہا، اور پھر مر گیا، تو آگ میں ڈالنے والے پر قصاص واجب ہوگا۔
لیکن اگر اس نے چلنا پھرنا شروع کر دیا ہو، اس کے بعد اس کی موت واقع ہوئی، تو

۱؎ المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۴۱۔۔ ۲؎ ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۶۔۔
۳؎ المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۴۳۔۔

اب آگ میں ڈالنے والے پر قصاص واجب نہ ہوگا۔[1]

گرم پانی میں ڈال کر ہلاک کرنا :

اگر کسی جگہ یا کسی بڑے برتن میں پانی گرم تھا، اور اُبل رہا تھا (کھول رہا تھا) اس میں کسی شخص نے کسی کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا، پانی میں گرتے ہی اس شخص کے بدن کی کھال اتر گئی، اور وہ مرگیا، تو گرم پانی میں ڈالنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔

اگر پانی شدید گرم تھا مگر اس میں جوش اور اُبال نہ تھا اس میں کسی کو ڈال دیا، تھوڑی دیر پانی میں رہنے کے بعد وہ شخص مرگیا، اگر اس شخص کے جسم پر چھالے پڑ گئے تھے، اور وہ پانی میں ابل گیا تھا تو پانی میں ڈالنے والے پر قصاص لازم ہوگا، اور اسے قتل کیا جائے گا، اور اگر جسم پر چھالے نہیں پڑے تھے، اور نہ اس کا جسم اُبلا تھا تو پھر پانی میں ڈالنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اگر دیگ میں پانی کھول رہا تھا، اور اس میں کسی شخص کو ڈالا، پھر اس میں سے اسے نکال لیا، اور اس شخص کے جسم کی کھال اتر گئی، اگر وہ شخص اسی وقت مرگیا تب بھی، اور اگر دو تین روز زندہ رہ کر مرا تب بھی، دیگ میں ڈالنے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

لیکن اگر دیگ میں سے نکل کر ٹھیک ہوگیا، اور چلنے پھرنے لگا پھر کچھ روز بعد مرگیا خواہ اسی صدمہ سے مرا ہو تو دیگ میں ڈالنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس پر دیت واجب ہوگی۔[2]

زندہ دفن کرنا :

اگر کسی شخص نے کسی کو پکڑ کر زمین میں زندہ دفن کر دیا، اور وہ شخص مرگیا، تو دفن کرنے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ :

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ج : ۹، ص : ۲۹۹۔ [2] فتاویٰ عالمگیری۔ج : ۹، ص : ۲۹۹۔

دفن کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی مدد گار برادری پر دیت واجب ہوگی۔[1]

درندے کے آگے ڈال کر ہلاک کرنا :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک :۔

اگر ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ایک درندے کے آگے ڈال دیا۔ اور درندے نے اس کو ہلاک کر دیا، تو درندے کے آگے ڈالنے والے پر نہ قصاص لازم ہوگا، اور نہ دیت، لیکن اس کو مارا جائے، اور سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ : ایسے شخص کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے[1]

ایک شخص نے ایک شخص کو کسی کوٹھڑی یا بند جگہ میں قید کر دیا، اور اسی جگہ کسی درندہ جانور کو بھی داخل کر دیا، وہاں اُس درندے نے اُس آدمی کو مار دیا، تو بند کرنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور اس پر دیت بھی واجب نہ ہوگی۔

لیکن فقہِ حنبلی کے مطابق حکم مندرجہ ذیل تفصیل کے ساتھ ہے :

اگر کسی شخص نے کسی کو شیر، بھیڑیے، یا چیتے (یا کسی بھی درندے) کے سامنے ڈال دیا، اور جہاں ڈالا، وہ تنگ جگہ تھی، جہاں سے اس آدمی کا بھاگنا ممکن نہ تھا، یا کوئی احاطہ تھا، اس درندے نے وہاں اس شخص کو ہلاک کر دیا، تو درندے کے آگے ڈالنے والے آدمی پر قصاص واجب ہوگا۔[2] (اور اسے قتل کیا جائے گا)۔

زہر کھلا کر مارنا :

حنفی مسلک کے لئے دیکھئے : باب نمبر-۶، ۷۔

---

[1] ایضاً۔ص : ۳۰۰۔ [1] فتاویٰ عالم گیری۔ج : ۹، ص : ۳۰۰۔

[2] المغنی۔ج : ۷، ص : ۶۴۱، ۶۴۲۔

حنبلی مسلک کی رو سے :۔

اگر کسی شخص نے کسی کو زہر پلا دیا، یا کوئی ایسی چیز کھلا دی جو زہریلی ہے، اور اس کے کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے، تو یہ قتلِ عمد کے حکم میں ہوگا۔ اور زہر کھلانے اور پلانے والے کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اگر زہر، کھانے میں ملا دیا، اور وہ کھانا کسی کو پیش کیا، یا ہدیہ میں بھیجا، اور اُس شخص نے یہ کھانا کھا لیا، اور اس سے اس کی موت واقع ہوگئی تو کھانے میں زہر ملانے والے پر قصاص واجب ہوگا۔

امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس نے اپنے اختیار سے کھایا ہے، اور یہ ایسا ہو جائے گا جیسے کسی نے کسی کو چھری یا خنجر دیا، اور اُس نے اس سے اپنے آپ کو قتل کر لیا، تو چھری یا خنجر دینے والے پر کسی کے نزدیک بھی قصاص نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنے کھانے میں زہر ملایا، اور وہ کھانا اپنے گھر میں رکھ دیا، وہاں کوئی شخص آیا، اس نے یہ کھانا کھا لیا، اور اس کے کھانے سے اس کی موت واقع ہوگئی، تو کھانے میں زہر ملانے والے پر نہ قصاص لازم ہوگا، اور نہ دیت۔

اگر کسی دوسرے شخص کے کھانے میں زہر ملا دیا، یا کسی کو ایسا کھانا پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا، اور اس شخص کو آگاہ بھی کر دیا کہ یہ زہریلا کھانا ہے، اس کے بعد اس شخص نے یہ زہریلا کھانا کھایا، اور اس کے کھانے سے اس کی موت واقع ہوگئی تو اس پر کسی طرح کا کوئی تاوان لازم نہ ہوگا۔[۱]

اگر کسی نے کسی کو ایسا زہر پلا دیا، یا اس کے کھانے میں ملا دیا جس سے عام طور پر موت واقع نہیں ہوتی (بعض زہر ایسے ہیں جو دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں، اور کسی چیز کے ساتھ ملا کر ان کے کھانے یا پینے سے موت واقع نہیں ہوتی)۔ اُس شخص نے وہ زہر آلود چیز کھالی، یا پی لی، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ یہ زہر آلود ہے، تو یہ شبہ عمد کے حکم میں ہوگا، اور قصاص واجب نہیں ہوگا[۲]

---

[۱] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۴۴۔ [۲] ایضاً۔

جادو کے ذریعے ہلاک کرنا :

فقہ حنبلی کی رُو سے :

اگر کسی نے کسی شخص پر ایسا سخت جادو کیا، جس کی وجہ سے عام طور پر موت واقع ہو جاتی ہے، اور وہ شخص اِس جادو کے اثر سے مر گیا، تو جادو کرنے والے پر قصاص لازم ہو گا۔

لیکن اگر جادو زیادہ سخت نہیں ہے، اور وہ عام طور پر لوگوں کی موت کا ذریعہ نہیں بنتا تو پھر جادو کرنے والے پر قصاص واجب نہیں ہو گا بلکہ دیت لازم ہو گی [1]

سوئی (یا نوک دار چیز) چبھا کر ہلاک کرنا :

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ :

اگر کسی نے کسی شخص کے جسم کے ایسے نازک حصّہ میں سوئی (یا کوئی نوک دار چیز) چبھائی، جہاں اس طرح کی چیز چبھانے سے موت واقع ہو سکتی ہے، مثلاً آنکھ میں چبھائی، کان میں، یا شرمگاہ میں، اور اس کے سبب اس کی موت واقع ہو گئی، تو یہ قتلِ عمد ہو گا۔ اور قصاص واجب ہو گا۔

اگر سوئی (یا نوک دار چیز) نازک حصّہ جسم کے علاوہ کسی عام حصّہ میں چبھائی، اس چبھانے کے باعث اس حصّہ جسم پر ورم آگیا، اس نے تکلیف محسوس کی، اور موت واقع ہو گئی، تو یہ شبہ عمد کے حکم میں ہو گا۔ اور قصاص لازم نہ ہو گا، دیت لازم ہو گی۔

اگر سوئی یا کوئی نوکدار چیز عام حصّہ جسم پر چبھائی، اس سے ورم بھی آگیا، تکلیف بھی ہوئی، مگر موت کچھ مدّت گزرنے کے بعد واقع ہوئی، تو قصاص، دیت، یا تاوان میں سے کچھ بھی لازم نہ ہو گا [2]

کسی جگہ میں بند (قید) کر کے ہلاک کرنا :

کسی نے کسی شخص کو ایسی جگہ میں محبوس کر دیا جہاں سے بھاگنا ممکن نہیں، اور اس کو کھانے

---

[1] ایضاً۔ [2] السراج الوہاج۔ ص : ۴۷۸۔

پینے کے لئے بھی کچھ نہیں دیا، اور اتنی مدت تک اُسے بند رکھا جتنی مُدّت بُھوکا پیاسا رہنے سے عام طور پر ایک انسان مرجاتا ہے، تو اگر یہ محبوس آدمی مرگیا تو بند کرنے والے شخص پر قصاص لازم ہوگا۔ اور یہ قتلِ عمد کے حکم ہوگا۔

مدت کے تعین میں موسم کا بھی لحاظ کیا جائے گا کہ ٹھنڈا ہے، گرم ہے یا معتدل ہے۔ یا اُس جیسے موسم میں آدمی کتنے روز تک بغیر کھائے پیئے رہ سکتا ہے اسی طرح محبوس آدمی کی جسمانی صحت اور عمر کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا کہ اس جیسی عمر، اور صحت کا آدمی کتنے روز تک بغیر کھائے پیئے زندہ رہ سکتا ہے[1]۔ (حنبلی مسلک بھی یہی ہے)۔

اگر ایک شخص نے کسی کو پکڑ لیا (ہاتھوں سے) اور دوسرے شخص نے اس پکڑے ہوئے شخص کو قتل کردیا، تو قصاص مارنے والے پر لازم ہوگا، پکڑنے والے پر نہیں۔

گلا گھونٹ کر مارنا :

اگر ایک شخص نے کسی کا گلا گھونٹ دیا، کسی کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا، اور وہ شخص اسی حالت میں مرگیا، تو گلا گھونٹنے والے پر قصاص لازم ہوگا، اور یہ ایسی صورت ہوگی جیسے کسی نے کسی کو شدید زخمی کیا، اور وہ ان زخموں ہی کی وجہ سے مرگیا تو زخمی کرنے والے پر قصاص واجب ہوگا۔

لیکن اگر گلا گھونٹنے کے بعد پھر کھول دیا، اور کھولنے کے بعد اس نے سانس لیا، (یعنی اس کا نظام تنفس بحال ہوگیا) اس کے بعد اس کی موت واقع ہوئی، تو اس صورت میں گلا گھونٹنے والے پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ بظاہر حال اب وہ گلا گھونٹنے کی وجہ سے نہیں مرا ہے۔ اور یہ ایسا ہوگا جیسے کسی نے کسی کو زخمی کیا، اس کے زخم ٹھیک ہوگئے، اس کے بعد اس کی موت واقع ہوئی تو قصاص نہیں ہوگا[2]۔

---

[1] السراج الوہاج۔ ص: ۴۸۷، نیز المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۴۳۔

[2] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۴۰۔

زخمی کر کے ہلاک کرنا:

اگر کسی شخص نے کسی کو زخمی کر دیا، قصد اور ارادہ سے، پھر مجروح شخص برابر صاحب فراش رہا، زخموں سے صحت یاب نہ ہوا، یہاں تک کہ مر گیا، تو زخمی کرنے والے شخص پر قصاص واجب ہو گا[1]

ایک شخص نے بالارادہ ایک شخص کے ہاتھ پر ضرب لگانا چاہی، لیکن ضرب ہاتھ کے بجائے گردن پر لگی، اور گردن کٹ کر الگ ہو گئی، تو یہ قتل عمد ہو گا، اور ضرب لگانے والے (وار کرنے والے) پر قصاص لازم ہو گا[2]

دھوکہ سے قتل کرنا:

اگر ایک شخص نے کسی کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا، مثلاً کسی کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا، یا کسی اور جگہ چھپ کر بیٹھ گیا، اور ایک شخص کو ہلاک کر دیا، تو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل (چاروں ائمہ) کے نزدیک دھوکہ دے کر ہلاک کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قاتل کو معاف کرنے کا اختیار، مقتول کے سرپرست کو ہے، حکومت کو نہیں، امام مالک کہتے ہیں کہ مقتول کو (اس صورت میں) معاف کرنے کا اختیار نہ مقتول کے سرپرست کو ہے، اور نہ حکومت کو، قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے[3]

بیٹے کو باپ کے قصاص میں قتل کیا جائے گا:۔

اگر کسی شخص نے اپنے باپ کو قتل کر دیا، تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کیا جائے گا۔

---

[1] ہدایہ۔ج: ۴، ص: ۵۶۶۔ [2] فتاویٰ عالم گیری۔ج: ۹، ص: ۲۹۴۔

[3] المغنی۔ج: ۷، ص ۶۴۸، ۶۴۹۔

اور یہ قتلِ عمد کے حکم میں ہے۔

- مرد کو، عورت کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔
- بالغ شخص کو، نابالغ کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔
- تندرست اور صحت مند آدمی کو، نابینا کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔
- صحت مند آدمی کو، بیمار، اپاہج، اور پاگل آدمی کے قصاص میں قتل کیا جائے گا[1]

یہی مسلک ہے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا۔

اگر کسی عورت نے مرد کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں عورت کو قتل کیا جائے گا۔ (چاروں فقہی مسالک میں یہی حکم ہے[2]

اگر کسی نے (خواہ مرد نے یا عورت نے) کسی خنثیٰ (ہیجڑے) کو قتل کر دیا تو قصاص میں قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔

کیوں کہ ہیجڑے میں دو ہی صورتیں ہیں، یا وہ مرد ہے، یا عورت ہے، اگر مرد ہے، تب بھی قتل ہونے کی صورت میں اس کا قصاص واجب ہوگا، اور اگر عورت ہے، تب بھی قاتل سے اس کا قصاص لیا جائے گا[3]

حملہ آور کو کسی دوسرے شخص نے ہلاک کیا تو قصاص، ہلاک کرنے والے پر ہوگا:

اگر ایک شخص نے کسی پر ہتھیار اٹھایا، شہر میں، پھر اس ہتھیار سے اس نے اس پر وار بھی کیا، کچھ دیر بعد حملہ کرنے والے کو کسی دوسرے آدمی نے قتل کر دیا تو قصاص قتل کرنے والے پر لازم ہوگا۔

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں:

اس مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ حملہ آور نے حملہ کیا، اور اس کے بعد وہاں سے ہٹ گیا،

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۳۔ [2] المغنی۔ ج: ۷، ص ۶۷۹۔
[3] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۷۹۔ [4] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۶۸۔

تو اس صورت میں کسی دوسرے شخص کا حملہ آور کو قتل کرنا قصاص کو واجب کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ حملہ آور شخص اُس جگہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے محارب و مقاتل اور حملہ آور نہیں رہا اور حملہ کی جگہ سے لوٹ جانے کی وجہ سے اس کی عصمت و حفاظتِ جان لوٹ آئی۔ (اس لئے اِس قاتل کا حکم، اپنے دفاع میں قتل کرنے والے کا سا نہ ہوگا، بلکہ اس پر قصاص واجب ہوگا)۔

ایک شخص نے ارادہ کیا کہ فلاں شخص کے ہاتھ پر ضرب لگائے، مگر اس کا ہاتھ چوک گیا، اور ضرب ہاتھ کے بجائے اس کی گردن پر لگی، وہ زخمی ہوگیا، اور اسی سے اس کی موت واقع ہوگئی، تو ضرب لگانے والے سے قصاص لیا جائے گا[۱]۔

مسلمان پر ہتھیار اٹھانے والے کو قتل کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے مسلمانوں (یا مسلمان) پر تلوار کھینچی (ہتھیار اٹھایا) خواہ دن میں ہو یا رات میں، شہر میں ہو یا جنگل میں، تو مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ اُس شخص کو قتل کر دیں، نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: جس نے کسی مسلمان پر تلوار کھینچی، اُس نے اپنا خون باطل کر دیا، (یعنی اپنی عصمت و حفاظت کو ختم کر ڈالا)[۲]۔

مُکرَہ (مجبور) کے قتل پر قصاص ہے:

ایک شخص نے دوسرے شخص کو مجبور کیا کہ تم فلاں شخص کو قتل کر دو، اُس نے اِس کے کہنے اور مجبور کرنے سے اُس شخص کو قتل کر دیا تو امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دونوں پر (مجبور، اور مجبور کرنے والے پر) قصاص واجب ہوگا۔ یعنی مجبور کرنے والے اور براہ راست قتل کرنے والے، دونوں سے قصاص لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رح کے نزدیک:

مجبور کرنے والے پر قصاص واجب ہوگا، قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام زفر کے نزدیک:

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری - ج: ۹ - ص: ۲۹۵ -- [۲] ہدایہ - ج: ۴، ص: ۵۶۷ --

قصاص قتل کرنے والے پر واجب ہوگا، مجبور کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔
امام شافعی کے نزدیک:
مجبور کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

اگر حاکم کے حکم سے کسی کو قتل کیا، تو حاکم سے قصاص لیا جائیگا:

اگر کسی حاکم نے کسی شخص کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو قتل کرو، اُس نے اُس شخص کو قتل کر دیا، اور بعد میں اس قتل کا اعتراف واقرار بھی کیا تو حکم دینے والے سے قصاص لیا جائے گا۔

نزع کے عالم میں کسی کو قتل کرنا:

اگر ایک شخص نزع کے عالم میں تھا، اور ظاہری حالات میں اس کے زندہ رہنے کی امید بھی نہ تھی، عام خیال یہی تھا کہ یہ شخص مر جائے گا، اس حالت میں کسی شخص نے اس شخص کو عمداً مار دیا تو قصاص واجب ہوگا[1]

زندہ دفن کر کے ہلاک کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کو قبر میں زندہ دفن کر دیا، اور وہ مر گیا، تو دفن کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔ اسے مدفون کے بدلے قتل کیا جائے گا[2] یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی۔

ایک شخص کا متعدد لوگوں کو قتل کرنا:

اگر ایک شخص نے متعدد لوگوں کو قتل کیا، پھر ان سب مقتولین کے سرپرست حاضر ہوئے، اور انہوں نے قصاص کا مطالبہ کیا، تو اس ایک قاتل کو ان سب کے عوض میں قتل کیا جائے گا، اور ان سرپرستوں کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ کہ وہ دیت وغیرہ کا مطالبہ کریں۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۲۹۹۔ [2] ایضاً، ص: ۳۰۰۔

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اور اگر مقتولین کے سرپرستوں میں سے صرف ایک حاضر ہوا، اور اس نے قصاص کا مطالبہ کیا تو اسی کے واسطے قصاص لیا جائے گا، اور باقی سرپرستوں کا حق ساقط ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ایسی صورت میں قاتل کو مقتول اول کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور باقی مقتولین کی دیت، قاتل کے ذمہ واجب ہوگی۔

اور اگر سب سرپرستوں نے مل کر قصاص کا دعویٰ کیا، اور صورت حال یہ ہے کہ مقتول اول کا علم نہیں کہ کون ہے، تو قاتل کو ان سب کے واسطے قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ اور باقی سرپرستوں کے لئے دیت واجب ہوگی، اور تمام دیتیں بتعداد مقتولین، ان کے سرپرستوں کے درمیان تقسیم کردی جائیں گی[1]

جماعت کا ایک شخص کو قتل کرنا:

اگر پورے ایک گروہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس ایک شخص کے قصاص میں پورے گروہ (جماعت) کو قتل کیا جائے گا۔

تمام ائمہ مجتہدین کا یہی مسلک ہے۔ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صنعاء کے سات آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا: حضرت عمر فاروق کے پاس مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا: اگر تمام اہل صنعاء بھی ایک آدمی کے قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسے تین آدمیوں کو قتل کیا جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ہمارے زمانے میں اگر چند لوگ مل کر ایک شخص کو قتل کرتے تھے تو اس ایک شخص کے قصاص میں ان سب کو قتل کیا جاتا تھا، اور اس بارے میں کوئی اختلاف ہم نے نہیں دیکھا[2]

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۷۳۔۔ [2] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۷۱، ۶۷۲، فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۲۹۸۔۔

اگر تین آدمی ایک شخص کے قتل میں بایں طور شریک ہوتے کہ ان میں سے ایک نے اس کا ہاتھ کاٹا، دوسرے نے پاؤں کاٹا، اور تیسرے نے اسے زخمی کر دیا، اس کے بعد وہ شخص مرگیا، تو مقتول کے سرپرست کو اختیار ہے کہ وہ تینوں کو قصاص میں قتل کرائے۔ یا تینوں سے ایک ایک تہائی دیت لے لے، اور اس سرپرست کو یہ بھی اختیار ہے کہ ان تین میں سے ایک سے قصاص معاف کر دے، اور اس سے ایک تہائی دیت لے لے، اور باقی دو کو قصاص میں قتل کرا دے نیز یہ بھی اختیار ہے کہ دو سے قصاص معاف کر دے، اور ان دونوں سے ایک ایک تہائی دیت لے لے، اور باقی ایک کو قصاص میں قتل کرا دے۔ یہ امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے[1]

حاملہ عورت سے قصاص :

حاملہ عورت سے قصاص اس وقت لیا جائے گا، جب وضع حمل ہو جائے، اور وہ پیدا شدہ بچہ کو دودھ پلالے، یعنی بچہ کی مدتِ رضاعت بھی پوری ہو جائے۔

جرم کرنے والی عورت خواہ اس وقت حاملہ ہو جب اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ یا جرم کے ارتکاب کے بعد، سزا ملنے سے پہلے حاملہ ہو گئی ہو، دونوں صورتوں میں سزا کا اجراء اس وقت ہو گا جب اس کے ہاں بچہ کی ولادت ہو جائے گی، اور اس بچہ کی مدتِ رضاعت بھی گزر جائیگی۔

اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ کیوں کہ واضح حدیث موجود ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

(اگر عورت محصنہ کو رجم کی سزا ہو جائے، اور وہ حاملہ ہو، تب بھی یہی حکم ہے۔ اور اس پر بھی چاروں ائمہ کا اتفاق ہے)[2]

نو شخصوں کو، نو شخصوں کے عوض قتل کیا جائے گا :

۱۔ آزاد مرد کو غلام مرد کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

۲۔ غلام مرد کو آزاد مرد کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

---

[1] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۶۷۲۔ ۔ [2] المغنی۔ ج: ۷، ص: ۷۳۱۔

۳ ۔ آزاد شخص کو آزاد کے بدلہ میں ، اور غلام شخص کو غلام شخص کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا ۔

۴ ۔ مسلمان کو ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے گا ۔

۵ ۔ مرد کو عورت کے قصاص میں قتل کیا جائے گا ۔

۶،۷ ۔ بھائی کو بھائی کے ، اور بہن کو بہن کے قصاص میں قتل کیا جائے گا ۔

۸ ۔ بینا (آنکھوں والے) کو نابینا کے قصاص میں قتل کیا جائے گا ۔

۹ ۔ صحت مند شخص کو بیمار کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا ۔

چھٹا باب

کن صورتوں میں قصاص نہیں لیا جائے گا؟

مستامن کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا:

ایسا حربی کافر جس نے مسلمانوں کے ملک میں عارضی طور پر پناہ لے رکھی ہے، اگر اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اسے حربی مستامن کے بدلے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حربی مستامن ہمیشہ کے لیے معصوم الدم نہیں ہے، وہ ایک محدود وقت تک کے لیے دارالاسلام میں امن حاصل کر کے قیام کرنے والا ہے، جس کے بعد وہ پھر دارالکفر میں لوٹ جائے گا۔ اس لیے اس کی جان مستقل طور پر محفوظ و مامون نہیں ہے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے[۱]

ذمی کو مستامن کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا:

اگر مسلمان ملک میں کسی ذمی کافر نے عارضی طور پر پناہ لینے والے کسی کافر (مستامن) کو قتل کر دیا تو ذمی کو اس کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا[۲]

باپ کو اپنے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا:

اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا، تو بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: باپ کو اپنے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔"

۱ھ ہدایہ، جلد ۴، ص: ۵۶۳، المغنی، جلد ۷، ص: ۶۵۲، ۶۵۳

۲ھ ہدایہ جلد ۴، ص: ۵۶۳

نیز اس لیے بھی باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کہ باپ اپنے بیٹے کے اِحیاء، اور وجود کا سبب اور ذریعہ تھا، تو یہ بات ناممکن ہے کہ وہی بیٹا اپنے باپ کو فنا اور ہلاک کرنے کا مستحق ہو، یہی وجہ ہے کہ بیٹے کو جائز نہیں کہ اپنے باپ کو قتل کرے، اگرچہ بیٹا اپنے باپ کو دشمنوں (کافروں) کی صفوں میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا ہوا پائے۔ یا باپ کو زنا کرتا ہوا دیکھے، حتیٰ کہ اگر کسی کے باپ کو رجم کی سزا ہو جائے تو جس وقت اس کو سنگسار کیا جا رہا ہو، تو اگر اس کا بیٹا وہاں مجمع میں موجود ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے باپ کے پتھر مارے۔

اور قصاص کا مستحق پہلے مقتول ہوتا ہے، پھر مقتول کا وارث اور سرپرست اس کے قائمقام ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل کیا جائے گا تو معنیً یہ بات ہو گی کہ گویا خود بیٹا اپنے باپ کو قتل کر رہا ہے۔ اور یہ چیز از روئے عقل بھی قابل برداشت نہیں کہ عالم اسباب میں جو شخص کسی کے وجود کا ذریعہ بنا ہو، اور اس کا مربّی ہو، وہی شخص اپنے مربّی کو قتل کرنے والا بنے۔

دادا، پردادا، نانا اور پرنانا کا بھی یہی حکم ہے۔ باپ، دادا، اور نانا پر قتل عمد کی صورت میں دیت ان کے مال میں سے واجب ہو گی، اور اگر بیٹے، پوتے یا نواسے کو خطأً قتل کیا تو دیت مددگار برادری پر واجب ہو گی۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے، امام مالک کے مسلک میں معمولی فرق ہے، وہ کہتے ہیں کہ: عام صورتوں میں تو باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے ہلاک کیا ہو تو پھر باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[1] اگر کوئی شخص اپنے باپ پر قصاص کا مستحق ہو کر وارث ہوا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ پدری حرمت اور عظمت کی وجہ سے۔

تشریح:

اس کی صورت یوں ہے کہ مثلاً: زید کے باپ نے زید کی ماں کو قتل کر دیا، اور زید ہی

---

[1] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۳۔ المغنی، جلد: ۷، ص: ۶۶۶

اپنی ماں کا تنہا وارث ہے تو یہی اپنی ماں کے قصاص کا مستحق ہوا، لیکن باپ کی حرمت اس امر کے لیے مانع ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قصاص میں قتل کرے یا کرائے، اس وجہ سے یہ قصاص بھی حرمتِ پدری کے باعث ساقط ہو جائے گا۔!

کدال یا بیلچہ کی لکڑی سے ہلاک کرنا:

اگر کسی شخص نے کسی کو کدال یا بیلچہ سے ہلاک کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا (جیساکہ گذشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا) لیکن اگر کدال یا بیلچہ کی لکڑی، یعنی دستہ مار کر ہلاک کیا تو ہلاک کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا، دیت لازم ہوگی۔

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کدال اور بیلچہ کا لوہا لگنے سے قصاص اس صورت میں لازم آئے گا جب کہ اس کی دھار لگی ہو، اور اس سے زخمی ہو کر مرا ہو، اور اگر مقتول کے لوہے کی پشت لگی ہو، اور اس کی چوٹ اور صدمہ سے موت واقع ہوئی ہو تو قصاص نہیں لیا جائیگا۔[1]

سمندر یا دریا میں ڈبو کر ہلاک کرنا:

اگر کسی شخص نے کسی بچّہ کو یا بڑے آدمی کو سمندر یا دریا میں غرق کر دیا تو غرق کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔ دیت واجب ہوگی۔

یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قصاص لازم ہوگا۔[2]

(جیساکہ باب نمبر پانچ میں تفصیل گزر چکی)

پانی میں غرق کر کے ہلاک کرنا:

اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو پانی میں غرق کر دیا، اگر پانی اتنا تھوڑا تھا کہ عام طور پر آدمی اس میں گرنے سے مرتا نہیں بلکہ تیر کر نکل جاتا ہے، تو اس صورت میں اگر گرنے والا

---

[1] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۳ — [2] ایضاً

آدمی مرگیا، تو بھی غرق کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔ دیت واجب ہوگی۔

اگر پانی زیادہ ہو، اگر صورتِ حال یہ ہو کہ ڈوبنے والا تیرنا جانتا ہو، اور اس پانی میں سے نکلنا ممکن ہو، نیز اس شخص کے ہاتھ پاؤں بھی باندھے نہ گئے ہوں (کیوں کہ اگر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہوں، تو تیرنا جاننے کی صورت میں بھی وہ تیر کر پانی سے باہر نہیں آسکتا) تو اس صورت میں اگر وہ مرگیا، تب بھی غرق کرنے والے پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ دیت واجب ہوگی۔

اگر پانی زیادہ ہو، اور اس میں سے نکلنا ممکن نہ ہو تب بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ڈبونے والے پر قصاص نہ ہوگا۔ دیت لازم آئے گی۔

اگر کسی شخص کو پکڑ کر، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو دریا میں ڈال دیا، اور وہ پانی کی تہ میں بیٹھ گیا، اور مرگیا تو قاتل پر قصاص نہ ہوگا، دیت مغلظہ ہوگی۔

اگر کوئی شخص کسی کو سمندر یا دریا میں غوطے دیتا رہا یہاں تک کہ وہ اس صدمہ سے مرگیا، تو غوطے دینے والے پر دیت مغلظہ واجب ہوگی۔ قصاص لازم نہیں آئے گا۔

اگر ایک شخص نے کسی کو کشتی میں سے پانی میں دھکا دے دیا، اور وہ شخص تیرنا نہیں جانتا تھا، وہ پانی کی تہ میں بیٹھ گیا، اور اگر مرگیا، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دھکا دینے والے پر نہ قصاص واجب ہوگا، اور نہ دیت۔

اور اگر وہ شخص تیرنا جانتا تھا، پانی میں گر کر اس نے تیرنا شروع کیا تاکہ کنارے تک پہنچ جائے۔ مگر کنارے تک نہ پہنچ سکا، تھک کر ڈوب گیا، اور مرگیا، تو پانی میں گرانے والے پر نہ قصاص واجب ہوگا، اور نہ دیت۔

اگر دریا میں گرانے کے بعد، گرنے والے کا کوئی حال معلوم نہ ہوا کہ وہ ڈوب کر مرگیا، یا تیر کر زندہ نکل آیا تو گرانے والے پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا[1]

کوڑوں سے مار کر ہلاک کرنا:

اگر ایک آدمی نے کسی کے پے در پے کوڑے مارے یہاں تک کہ وہ مرگیا تو کوڑے مارنے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۲۹۹

والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔

بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ اگر چھوٹے کوڑے سے مارا تو اس صورت میں قصاص واجب نہ ہوگا[1]

اگر پے در پے کسی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے انسان عادتاً ہلاک نہیں ہوتا مثلاً چھڑی سوئی، یا کوڑا، تو اگر ایسی چیز کی مسلسل ضرب سے کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو بعض مشائخ حنفیہ کا قول ہے کہ اس صورت میں قصاص لازم نہیں ہوگا۔

بعض مشائخ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ صورت قتلِ عمد کی ہوگی۔ اور اس میں قصاص واجب ہوگا، یہی مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔

گلا گھونٹ کر ہلاک کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کا گلا گھونٹا، اور اس وجہ سے وہ مرگیا، تو گلا گھونٹنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ شخص پہلے بھی اس طرح کی حرکت کرچکا ہے۔ اور مختلف لوگوں کا گلا گھونٹنے کا مرتکب ہوا ہے تو پھر از روئے سیاست و مصلحت اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ: اگر کسی شخص نے کسی کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا، اس کے بعد اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اس عمل سے توبہ کرلی تو اس کی توبہ کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر متعدد مرتبہ قائم ہونے، یا گرفتار ہونے کے بعد توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی[2]

آگ میں ڈال کر ہلاک کرنا:

اگر کسی شخص نے کسی کو تنور گرم کرکے اس میں ڈال دیا، یا ایسی آگ میں ڈال دیا جس میں سے وہ نکل نہیں سکتا تھا، اور آگ نے اس کو جلا دیا، اور وہ جل کر مرگیا، تو آگ میں یا تنور میں ڈالنے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۲۹۸۔

[2] " جلد: ۹، ص: ۲۹۸، ۲۹۹

والے پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ (دیت آئے گی)

سردی میں ٹھٹھرا کر مارنا:

اگر ایک شخص کو کسی نے سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا، اور وہ اسی وقت ٹھٹھر کر مرگیا، تو ٹھنڈے پانی میں ڈالنے والے پر دیت لازم ہوگی۔ (قصاص نہیں ہوگا)۔

اسی طرح اگر سردی کے موسم میں کسی کو ننگا کر کے، چھت پر یا کسی کھلی جگہ پر لٹا دیا، اور برابر اسی طرح لٹائے رکھا یہاں تک کہ وہ مرگیا (سردی سے) تو ایسا کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا، دیت واجب ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی کو ہاتھ پاؤں باندھ کر برف میں ڈال دیا، اور اس کو نہ کھولا یہاں تک کہ وہ ٹھٹھر کر مرگیا تو بھی فاعل پر قصاص لازم نہ ہوگا، دیت واجب ہوگی[1]

اونچی جگہ سے گرا کر ہلاک کرنا:

اگر کسی شخص نے کسی کو چھت پر سے، دیوار پر سے، پہاڑ پر سے، یا کسی بھی اُونچی جگہ پر سے گرا دیا، اور وہ نیچے گر کر ہلاک ہوگیا، تو نیچے گرانے والے پر قصاص واجب نہ نہ ہوگا۔ دیت لازم ہوگی۔ (امام ابوحنیفہ کے نزدیک)

امام ابویوسف، امام محمد کہتے ہیں کہ:

اگر اتنی بلندی سے گرایا، جہاں سے گرنے سے عام طور پر آدمی ہلاک نہیں ہوتا تو یہ شبہ عمد ہوگا، اور اس میں قصاص واجب نہ ہوگا، گرانے والے پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر اتنی بلندی سے گرایا جہاں سے گر کر آدمی کا زندہ بچنا مشکل ہے۔ بلکہ عام طور پر ہلاک ہوجاتا ہے تو یہ قتلِ عمد کے حکم میں ہوگا۔ اور گرانے والے پر قصاص لازم ہوگا[2]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۳۰۰ [2] ایضاً

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ قصاص لازم نہ ہوگا۔ (ان کے مسلک کی تفصیل باب نمبر ۵ میں گزر چکی)۔

دھوپ میں ڈال کر ہلاک کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کو، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا، سورج کے سامنے اور اسے نہ کھولا یہاں تک کہ وہ دھوپ اور سورج کی تمازت کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تو دھوپ میں ڈالنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔ دیت واجب ہوگی[1]

میدان جہاد میں کوئی مسلمان مارا جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر میدان جہاد میں مسلمانوں اور کافروں کی صفیں آمنے سامنے ہوں، اور اس حالت میں ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کو قتل کردے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کافر ہے، تو قتل کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔ دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ صورت قتل خطاء کی دو قسموں میں (خطاء فی القصد، خطاء فی العمل) سے ایک قسم ہے۔ اور قتل خطاء کی دونوں قسموں میں سے کسی قسم میں بھی قصاص واجب نہیں ہوتا۔

مشہور صحابی حضرت حذیفہ کے والد کو دورانِ جہاد مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو مسلمان تھے، نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دی گئی، آپ نے دیت کا فیصلہ فرمایا۔

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ دیت صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ میدانِ جہاد میں کافروں اور مسلمانوں کی مڈ بھیڑ ہو رہی ہو، اور لوگ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے۔ کلی طور پر امتیاز باقی نہ رہا ہو، ایسی صورت میں اگر غلطی سے کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو دیت واجب ہوگی۔ لیکن اگر ایک مسلمان کافروں کی صف میں ہو، اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہو، اور اس کو مسلمان، یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ مسلمان ہے، قتل کر دیں تو کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت

---

[1] ایضاً

وہ کافروں کی جماعت میں ہو کر ان کی قوت اور زیادتی کا سبب بنا ہوا ہے۔ اور کافروں کا مددگار ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی عصمتِ نفس کو ختم کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص کسی قوم اور جماعت کی زیادتی کا سبب بنے وہ انہیں میں سے شمار کیا جائے گا"[۱]

دیوانے کو اپنے دفاع میں قتل کرنا:

اگر کسی دیوانے نے کسی شخص پر ہتھیار سے حملہ کیا، جس شخص پر حملہ کیا تھا اس نے بالارادہ دیوانے کو قتل کر دیا، تو قتل کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا، اس کے مال میں دیت لازم ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی لازم نہ ہوگا، یہی مسلک امام مالکؒ اور اکثر فقہاء کا ہے۔

اسی طرح بچہ اور جانور کا بھی مسئلہ ہے۔ یعنی اگر کسی بچہ نے کسی پر ہتھیار سے حملہ کیا، جس پر حملہ کیا تھا اس نے عمداً اس بچہ کو قتل کر دیا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتل کرنے والے پر دیت لازم ہوگی، اور باقی فقہاء کے نزدیک کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی جانور نے کسی شخص پر حملہ کر دیا، اور اس نے اس جانور کو جان سے مار دیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضمان، یعنی جانور کی قیمت لازم ہوگی، باقی ائمہ کے نزدیک کچھ بھی لازم نہ ہوگا[۲]

چور کے قاتل پر قصاص نہیں ہے:

کوئی شخص چوری کے ارادہ سے رات کے وقت کسی کے مکان میں گھس گیا، اور مال چوری کرنے کے بعد، مال کو گھر سے باہر لے گیا، جس کا مال چوری کیا تھا اس نے گھر سے باہر نکل کر چور کا پیچھا کیا، اور چور کو قتل کر دیا تو قتل کرنے والے پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔

نبی علیہ السلام سے جب اس طرح کی صورت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

---

[۱] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۶

[۲] ایضاً ص ۵۶۸

"تو اپنے مال کے لیے قتال کرے"[1]

تشریح:

چور کے بارے میں وضاحت متعدد صحابہ سے مروی اور منقول ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور قابوس بن المخارق سے روایت ہے کہ: ایک شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھنے لگا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص میرے گھر میں آئے اور میرا مال لینے کا ارادہ کرے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کو سمجھاؤ، اور خدا کا خوف دلاؤ، انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تو پوری قوت سے اس کا مقابلہ اور اپنا دفاع کر، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر وہ اس صورت میں مجھ کو قتل کر دے تو کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا، تو شہید ہو گا، پھر دریافت کیا: یا رسول اللہ! اگر میں اس کو قتل کر دوں تو پھر کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا۔

شروح فقہ میں اس کی تفصیل اور جزئیات مذکور ہیں۔

تشریح: ۲-

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے وقت کسی مکان میں گھس آیا، پھر صبح کے وقت وہ شخص اس مکان میں مردہ پایا گیا، تو اگر یہ شخص چوری میں متہم ہے، اور مالک مکان نے مقابلہ اور مکابرہ کا دعویٰ کیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا، جب کہ چور اور مالکِ مکان کے درمیان مقابلہ اور لڑائی کے آثار و نشانات پائے گئے ہوں، اور اگر وہ شخص چوری میں متہم نہیں ہے۔ اور لوگوں نے اس کے بارے میں اس کے اچھا ہونے کی گواہی دی، تو مالکِ مکان سے قصاص لیا جائے گا۔ بشرطیکہ مالکِ مکان کے جسم پر لڑائی جھگڑے کے کوئی آثار و نشانات نہ ہوں۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں، وہ صورت مراد ہے جب کہ چور کو گھر کے اندر نہیں بلکہ گھر کے باہر قتل کیا،

---

[1] ایضاً

جب کہ وہ سامان لے کر باہر نکل گیا، اور اس سے سامان واپس لینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی[1]۔
(چور کو اگر گھر کے اندر قتل کیا تو اس کی تفصیل قسامت کے بیان میں مذکور ہے۔)

مرتد کو قتل کرنا:

اگر کسی مسلمان نے کسی مرتد مرد کو یا کسی مرتدہ عورت کو قتل کر دیا، تو قتل کرنے والے پر قصاص لازم نہ ہوگا۔

بچہ کا، بچہ کو قتل کرنا:

اگر ایک نابالغ بچہ نے دوسرے نابالغ بچہ کو قتل کر دیا، تو، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل کرنے والے بچہ پر قصاص واجب نہیں ہوگا، اس کے مال میں دیت لازم ہوگی۔
اور اگر ایک بچہ نے دوسرے بچہ کو خطاءً قتل کر دیا تو کچھ واجب نہ ہوگا[2]۔

مجنون پر قصاص نہیں ہے:

اگر کسی شخص نے جس پر عارضی طور پر دیوانگی طاری ہو، یا ایسے شخص نے جو مستقل طور پر دیوانہ ہو، کسی شخص کو قتل کر دیا تو ان دونوں پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ ان کے مال میں دیت واجب ہوگی[3]۔

قصاص کے فیصلہ کے بعد اگر قاتل دیوانہ ہو جائے؟

اگر ایک شخص نے کسی کو عمداً قتل کیا، اور قاضی نے قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کا فیصلہ بھی کر دیا، مگر ابھی حکم پر عمل درآمد نہیں ہوا تھا کہ قاتل اچانک دیوانہ ہو گیا تو (ازروئے استحسان) قاتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اس کے مال میں دیت واجب ہوگی[4]۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، جلد: ۹، ص: ۲۹۶

[2] ایضاً [3] ایضاً

اور ایک روایت کی رو سے اگر قصاص لینے سے قبل، قاتل دیوانہ ہو جائے تب بھی اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[1]

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کبھی تندرست ہوتا ہے، اور کبھی اس پر دیوانگی طاری ہو جاتی ہے، اس نے افاقہ اور تندرستی کی حالت میں کسی کو قتل کر دیا تو اس کو ہوش مند اور تندرست آدمی کی طرح قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اگر ایسا شخص کسی کو قتل کرنے کے بعد مجنون ہو گیا، اگر اس کا جنون اور دیوانگی طویل ہو جائے تو اس پر سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر جنون طویل و مستقل نہ ہو، کبھی کبھار افاقہ ہو جاتا ہو تو اس کے ذمہ سے قصاص ساقط نہ ہو گا۔[2]

اگر دو شخص مل کر ایک شخص کو قتل کریں ؟

دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا، ایک نے اس کو ڈنڈے سے مارا، اور دوسرے نے دھار دار ہتھیار سے۔ تو دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہ ہو گا۔ ہر ایک پر آدھی آدھی دیت لازم ہوگی۔ جس نے دھار دار ہتھیار سے وار کیا اس پر آدھی دیت اسی کے مال میں سے دلائی جائے گی، اور جس نے ڈنڈے سے قتل کیا تو اس کی آدھی دیت اس کی مددگار برادری پر واجب ہو گی۔[3]

حملہ آور کو اپنے دفاع کی خاطر قتل کرنا :

ایک شخص نے دوسرے شخص پر ہتھیار اٹھایا، خواہ رات کے وقت، یا دن میں۔ جس پر ہتھیار اُٹھایا تھا اس نے ہتھیار اٹھانے والے (حملہ آور) کو قتل کر دیا تو قتل کرنے والے پر نہ قصاص ہو گا، نہ دیت، اور نہ تاوان۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد: ۹، ص: ۲۹۶

[2] ایضاً ص ۲۹۷

[3] ایضاً

اگر کسی نے کسی کو مارنے کے لیے لاٹھی اٹھائی، رات کے وقت یا دن میں، آبادی میں یا آبادی سے باہر، اس شخص نے جس پر لاٹھی اٹھائی تھی، لاٹھی اٹھانے والے کو قتل کر دیا تو اس پر نہ قصاص ہوگا، نہ دیت، اور نہ تاوان[1]

زہر دے کر ہلاک کرنا:

ایک شخص نے زبردستی ایک شخص کے منہ میں زہر ڈالا، اور اس کو نگلوا دیا، وہ شخص اس زہر کے اثر سے مر گیا۔

یا

ایک شخص کو زہر دیا، اور اسے مجبور کر کے پلا دیا، اس کے پینے سے اس کی موت واقع ہو گئی۔

یا

بغیر مجبور کئے ایک شخص کو زہر دیا، پھر اس کو پینے پر مجبور کیا، یہاں تک کہ اس نے پی لیا، اور پینے سے اس کی موت واقع ہو گئی، تو مجبور کرنے والے پر ان تمام صورتوں میں قصاص لازم نہ ہوگا، اس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو زہر دیا، بغیر کسی جبر اور زبردستی کے، لینے والے نے پی لیا، اور وہ مر گیا، تو زہر دینے والے پر نہ قصاص لازم ہوگا، اور نہ دیت ہوگی۔ خواہ پینے والا جانتا ہو کہ یہ زہر ہے یا نہ جانتا ہو۔

اگر ایک شخص نے کہا دوسرے شخص سے کہ، یہ کھانا کھا لو، یہ ٹھیک ٹھاک ہے، اس شخص نے کھا لیا، لیکن اس کھانے میں زہر ملا ہوا تھا، وہ یہ کھانا کھا کر مر گیا، تو کہنے والے پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا[2]

(زہر خورانی کے بارے میں دیگر ائمہ کے مسالک باب نمبر: ۵ میں ذکر کئے جا چکے ہیں)۔

---

[1] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۸

[2] فتاویٰ عالمگیری، جلد: ۹، ص: ۲۰۰

قید کر کے ہلاک کرنا:

ایک شخص نے کسی کو پکڑ لیا، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کو کسی کوٹھڑی (یا بند جگہ میں) قید کر دیا اور وہاں اسے کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں دیا، وہ شخص بھوک سے مر گیا، تو امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قید کرنے والے کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی۔ اور حاکم کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دے تاکہ وہ آیندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: قید کرنے والے پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔[۱]

قبر میں زندہ دفن کر کے ہلاک کرنا:

اگر ایک شخص نے کسی زندہ آدمی کو قبر میں دفن کر دیا، اور وہ وہاں دم گھٹ کر مر گیا، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دفن کرنے والے پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ اس کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی۔[۲]

(دیگر ائمہ کے مسالک، باب نمبر ۵ میں ذکر کیے گئے)۔

درندے کے آگے ڈال کر ہلاک کرنا:

اگر ایک شخص نے کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی درندے کے آگے ڈال دیا، اور درندے نے اس شخص کو ہلاک کر دیا، تو درندے کے آگے ڈالنے والے پر نہ قصاص لازم ہوگا، اور نہ دیت (ابو حنیفہ کے نزدیک) البتہ اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

ایک شخص نے دوسرے کو ایک کوٹھڑی میں داخل کیا، اور اس کے ساتھ ایک درندہ جانور بھی اس میں داخل کیا، اس کے بعد کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا، اس درندے نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا، تو بند کرنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

---

[۱] فتاویٰ عالمگیری جلد: ۹، ص: ۳۰۰

[۲] ایضاً

اسی طرح اگر اُس شخص کو جو کوٹھڑی میں بند ہے، سانپ یا بچھو نے کاٹا اور اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی تو بھی بند کرنے والے پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ خواہ سانپ یا بچھو کو اُس آدمی کے ساتھ کوٹھڑی میں داخل کیا ہو، یا سانپ اور بچھو پہلے سے کوٹھڑی میں موجود ہوں۔ البتہ اگر کسی نے ایسا فعل کسی نابالغ بچہ کے ساتھ کیا تو اس پر دیت واجب ہوگی [1]

زخمی کر کے ہلاک کرنا:

اگر ایک شخص نے دوسرے کا پیٹ پھاڑ کر اس کی آنتیں نکال دیں، پھر ایک دوسرے شخص نے اس کی گردن پر تلوار مار کر اسے ہلاک کر دیا، تو قاتل وہی ہے جس نے گردن ماری، پس اگر اس نے عمداً ایسا کیا ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا، اور اگر خطاءً ایسا کیا ہے تو اس پر دیت واجب ہوگی، اور جس نے پیٹ پھاڑا ہے اس پر ایک تہائی دیت واجب ہوگی، اور اگر پیٹ پھاڑنے کا شگاف بڑا ہو، اور دوسری جانب تک چلا گیا ہو تو دو تہائی دیت واجب ہوگی۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ شخص جس کا پیٹ پھاڑا گیا ہے، پورے دن زندہ رہ سکتا ہو، یا دن کے کچھ حصہ میں زندہ رہ سکتا ہو، اور اگر زخم اتنا کاری ہو کہ اس کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہ ہو، اور اس میں سوائے موت کے اضطراب کے اور کچھ نہ ہو تو پھر قاتل وہی ہوگا جس نے پیٹ پھاڑا، اگر اس نے عمداً ایسا کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، اور اگر خطاءً ایسا کیا تھا تو اس پر دیت واجب ہوگی اور جس نے گردن پر تلوار ماری تھی اس کو سزا دی جائے گی [2]

مسلمان کا غیر مسلم کو زخمی کر کے ہلاک کرنا:

اگر ایک مسلمان نے کسی غیر مسلم کو زخمی کیا، زخمی ہونے کے بعد وہ اسلام لے آیا، اور پھر اسلام کی حالت میں زخموں کی وجہ سے مر گیا، تو زخمی کرنے والے کو اس کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا دیت لازم ہوگی۔ یہ امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے [3]

---

[1] ایضاً۔ ص: ۳۰۱۔ [2] ایضاً

[3] المغنی۔ جلد: ۷، ص: ۶۵۳ — ۶۵۵

اگر کسی نے ایک مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بعد وہ مسلمان جس کا ہاتھ کاٹا تھا (عیاذاً باللہ) مرتد ہو گیا، اس کے بعد زخموں کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی تو ہاتھ کاٹنے والے پر نہ قصاص لازم ہو گا، نہ دیت، اور نہ کفارہ، حنبلی مسلک کے مطابق[1]

محصن زانی کو قتل کرنا:

اگر کسی شخص نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو زانیِ محصن تھا، تو امام احمد بن حنبل کے مسلک اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق قاتل پر نہ قصاص ہے، نہ دیت، اور نہ کفارہ،

بعض فقہاء کی رائے میں قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، کیونکہ زانیِ محصن کو قتل (سنگسار) کرنا حکومت کا کام ہے، لوگوں کو اس کی اجازت نہیں ہے[2]

اگر دو شخصوں نے ایک کو قتل کیا، ایک نے عمداً، اور ایک نے خطاءً؟

دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا، ان دو میں سے ایک نے عمداً قتل کیا، اور دوسرے نے خطاءً قتل کیا، تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی قصاص واجب نہیں ہو گا۔ جس شخص نے عمداً قتل کیا ہے، اس پر اس کے مال میں نصف دیت واجب ہو گی، اور جس نے خطاءً قتل کیا ہے، اس کی مددگار برادری پر نصف دیت واجب ہو گی، اور اس کے مال میں سے کفارہ کی ادائیگی لازم ہو گی۔ تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے[3]

گواہی دے کر کسی کو قتل کرانا:

اگر دو آدمیوں نے کسی شخص کے متعلق ایسی گواہی دی جس کی بناء پر اس شخص کو موت کی سزا ہو گئی، اور وہ شخص قتل کر دیا گیا، اس شخص کے قتل ہو جانے کے بعد ان دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا، اور کہا: کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی تھی، اور ہم نے عمداً اور ظلماً اس شخص کو

---

[1] المغنی۔ جلد: ۷، ص: ۶۵۳ – ۶۵۵ [2] ایضاً، ص: ۶۵۷

[3] ایضاً، ص ۶۸۰

قتل کرایا ہے۔ تو ان دونوں گواہوں کو اس شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یہ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں گواہوں پر قصاص نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ قتل بسبب ہے[۱] (اور قتل بسبب میں مددگار برادری پر دیت لازم ہوتی ہے۔)

دارالکفر میں مسلمان کو قتل کرنا:

اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو دارالکفر میں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہے، بالارادہ قتل کر دیا، تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ یہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ دارالکفر میں کسی مسلمان کو قتل کرنے پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ قصاص صرف اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کو بالارادہ دارالاسلام میں قتل کرے۔

غیر مسلم، غیر مسلم کو قتل کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

ایک کافر نے دوسرے کافر کو قتل کیا، قتل کرنے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا، اور جس (کافر) کو زخمی کیا تھا وہ مر گیا، تو دونوں صورتوں میں یعنی قتل کرنے والے اور زخمی کرنے والے سے قصاص لیا جائیگا۔ یہ امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک سزا ہے، اور اس میں اس وقت کا اعتبار ہوگا۔ جب یہ واجب ہوئی، اس امر کا اعتبار نہ ہوگا کہ اس کے اجراء کے وقت صورتِ حال کیا تھی۔

نیز اس لیے بھی کہ یہ ایک حق تھا جو کہ اس کے اسلام لانے سے قبل اس پر واجب و لازم ہوا تھا، اس کے اسلام لانے سے وہ حق ساقط نہ ہوگا۔ اور یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے ایک کافر، کسی دوسرے کافر کا قرضدار ہے، اب اگر قرض دار اسلام لے آئے تو اس کے اسلام لانے سے اس کافر کا قرض اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا[۲]

---

[۱] المغنی، جلد ۷، ص ۶۴۵، ۶۴۶ [۲] ایضاً، ص ۶۵۳

جس پر قصاص واجب ہے، وہ مر جائے؟

جس شخص پر کسی کے قتل کی وجہ سے قصاص واجب تھا، وہ طبعی موت مر گیا، تو اس کے ذمہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ قصاص وصول کرنے کا محل ہی ختم ہو گیا، اور جب محل ہی ختم ہو گیا تو قصاص کس سے وصول کیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ: اگر قاتل اپنی طبعی موت مر جائے تو اس سے حق قصاص ساقط نہیں ہو گا، بلکہ اس کے مرنے کی صورت میں مقتول کے ورثاء کو، قاتل کے ورثاء سے دیت وصول کرنے کا حق ہو گا۔[1]

حالتِ زنا میں قتل کرنا:

اگر کوئی شخص کسی مرد کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ زانی کو قتل کر دے، زانی کو قتل کرنے سے قصاص واجب نہ ہو گا۔ قطع نظر اس سے کہ زانی محصن (شادی شدہ) ہے یا غیر شادی شدہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایسا واقعہ پیش ہوا، وہ ایک روز صبح کا کھانا تناول فرما رہے تھے، اچانک ایک شخص جھپٹتا ہوا آپ کے پاس آیا، ہاتھ میں خون آلود تلوار لیے ہوا تھا، اس کے پیچھے پیچھے کچھ اور لوگ بھی غصہ میں بھرے ہوئے آئے، اور حضرت عمر رض سے کہنے لگے: اس شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ہمارے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رض نے اس شخص سے فرمایا: سن رہے ہو! یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کی رانوں پر تلوار ماری ہے، اگر وہاں کوئی آدمی موجود تھا تو میں نے اس پر بھی تلوار چلائی ہے (وہ بھی قتل ہو گیا ہے) یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق رض نے ان لوگوں سے پوچھا: کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے، تم نے وہ سن لیا؟ انہوں نے کہا: اس شخص نے تلوار ماری، جس سے اس کی بیوی کی رانیں کٹ گئیں، اور ہمارے آدمی کی کمر کٹ گئی، اور اس کے

---

[1] ہدایہ۔ جلد ۴، ص: ۵۷۳

دو ٹکڑے ہو گئے، اور وہ بھی اس کی بیوی کے ساتھ قتل ہو گیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر وہ دوبارہ ایسے فعل کا ارتکاب کریں تو تُو بھی ایسا ہی کر[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زنا کی حالت میں قتل کرنا موجب قصاص نہیں ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زانی کے قتل میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے تو اسی کو قتل کرنا جائز ہے۔ بلکہ اگر اجنبی عورت کو بھی زنا کی حالت میں دیکھے تو اس کا قتل جائز ہو گا، اور اس کے عوض نہ قصاص ہے اور نہ دیت، اور نہ تاوان۔

اس پر چاروں ائمہ، یعنی ابو حنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔

نو شخصوں کو، نو شخصوں کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا:

۱۔ باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دادا کو پوتے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا[2]

۳۔ ماں کو اس کے اپنے بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ دادی کو اس کی پوتی کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا[3]

۵۔ مالک کو اس کے غلام کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ مالک کو اس کے غلام مکاتَب کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ مالک کو کسی ایسے غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، وہ جس کے بعض حصّہ کا مالک ہے۔

۸۔ کسی آزاد مرد کو، اس کے بیٹے کے غلام کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] در مختار، جلد ۵، ص: ۳۷۱

[2] نانا، اور نواسے کا بھی یہی حکم ہے۔

[3] نانی اور نواسی کا بھی یہی حکم ہے۔

۹۔ کسی مسلمان کو، مستامن کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔[1]

---

[1] مستامن، وہ شخص ہے جو عارضی طور پر امن حاصل کر کے دارالاسلام میں مقیم ہو، خواہ تجارت کی غرض سے ہو یا کسی اور غرض سے۔

(۳) عیون المسائل۔ جلد ۱، ص ۳۶۴، ۳۶۵۔

ساتواں باب

اعضاء کا قصاص

اگر کسی شخص نے دوسرے کا ہاتھ عمداً جڑ سے کاٹ ڈالا، تو قصاص میں اس کا ہاتھ بھی جڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔ اگرچہ جرم کرنے والے کا ہاتھ، کاٹے ہوئے ہاتھ سے بڑا ہو (زیادہ صحت مند یا خوبصورت ہو) قرآن کریم کا واضح حکم ہے" والجروح قصاص" کہ زخموں میں قصاص ہے۔ اور لفظ قصاص، مماثلت اور برابری پر دلالت کرتا ہے، تو جہاں تک زخموں میں برابری ممکن ہوگی قصاص میں اس کی رعایت ضروری ہوگی۔ اور جہاں مساوات ممکن نہ ہوگی وہاں قصاص واجب نہ ہوگا۔ اور ہاتھ کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اس سے ہاتھ کی منفعت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

اور ایسا ہی حکم پاؤں کے بارے میں ہے، اور ناک کے نرمہ (وہ حصہ جو ہڈی سے اوپر ہے) اور کان کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ان سب میں مساوات اور برابری ممکن ہے۔ اور ان میں بھی چھوٹے بڑے کے فرق کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

آنکھ کا قصاص:

اگر کسی شخص نے کسی کی آنکھ پر کوئی چیز ماری، اور اس کی ضرب سے اس کی آنکھ کی پتلی باہر نکل آئی تو اس صورت میں قصاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ آنکھ کی پتلی نکالنے میں برابری ممکن نہیں ہے۔ اور قصاص صرف ان صورتوں میں لیا جائے گا جہاں برابری ممکن ہو۔

اگر اس شخص کی ضرب کے بعد آنکھ اپنی جگہ باقی اور برقرار رہی لیکن اس کی روشنی اور بینائی جاتی رہی تو اس وقت جرم کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مساوات ممکن ہے (کہ کسی ذریعے سے اس کی آنکھ کی بینائی ختم کر دی جائے)۔

دانت کا قصاص :

اگر کسی شخص نے کسی کے دانت توڑ دیئے، یا اکھاڑ دیئے تو قصاص میں اس کے بھی دانت توڑے یا اکھاڑے جائیں گے۔ قرآن کریم کا حکم ہے: "اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ " "دانت کے بدلہ دانت، دانتوں میں بھی وہی اصول کارفرما ہوگا جو ہاتھ اور پاؤں میں تھا، یعنی اگر جرم کرنے والے کا دانت بڑا ہے، یا خوبصورت ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ایک دانت کے عوض ایک دانت، اور دو دانت کے عوض دو دانت، اسی طرح، قصاص لیا جائے گا۔[1]

کن زخموں میں قصاص ہے؟

ہر اس زخم میں قصاص واجب ہوتا ہے جس میں برابری ممکن ہے۔ اس آیت کی بنا پر جو ابھی بیان کی گئی تھی: "والجروح قصاص"

اور دانت کے علاوہ، کسی بھی ہڈی کے توڑنے میں قصاص نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت علی رضؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہڈی میں قصاص نہیں ہے۔" آپؐ کے ارشاد گرامی میں بھی دانت کے علاوہ، دوسری ہڈیوں میں قصاص کی نفی مقصود ہے، اور دوسرے اس لیے کہ دانت کے علاوہ دوسری ہڈیوں میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے۔

اور جان سے کم ضائع کرنے میں شبہ عمد نہیں ہے۔ یعنی زخموں اور ہاتھ پاؤں کے قطع، اور ضائع کرنے میں یا تو عمد ہے، یا خطاء، کیونکہ شبہ عمد کا مآل، اور مرجع، آلہ قتل کی نوعیت کے فرق سے عمد، اور شبہ عمد کی قسم متحقق و متعین ہوتی ہے، اور قتل نفس ایسی چیز ہے کہ آلہ کے فرق سے مختلف ہو سکتی ہے قتل نفس سے کم کوئی چیز ایسی نہیں کہ آلہ کے اختلاف کی وجہ سے اس کا ضائع اور تلف کرنا مختلف ہوتا ہے لہذا جان سے کم جنایت کی صورتوں میں صرف صورت عمد ہے یا صورت خطاء

---

[1] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۹

مرد اور عورت کے درمیان جان سے کم جرم میں قصاص نہیں:

مرد اور عورت کے درمیان جان سے کم جرم میں قصاص نہیں ہے۔ اور اسی طرح آزاد اور غلام کے درمیان، اور باہم دو غلاموں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہے۔ (یعنی ہر ایسے جرم میں جو جان سے کم ہو)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اِن تمام صورتوں میں قصاص ہے، بجز اس صورت کے کہ کوئی آزاد شخص کسی غلام کا کوئی عضو کاٹ دے۔ امام شافعیؒ انسان کے اعضاء اور جوارح کو جان پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ اعضاء جان کے تابع ہیں۔ لہٰذا جس طرح جان میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اعضاء اور جوارح میں بھی لازم ہوگا، خواہ مرد و عورت کا تفاوت ہی کیوں نہ ہو۔

اعضاء اور جوارح کے معاملہ میں مسلمان، اور کافر معاہد کے درمیان قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ مسلمان اور کافر معاہد تاوان کے معاملہ میں دونوں برابر ہیں۔

اگر کسی نے کسی کا ہاتھ نصف کلائی سے کاٹ دیا، یا اس کو جائفہ زخم پہنچایا، وہ شخص اس جائفہ زخم سے صحت یاب ہوگیا تو اس شخص پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس وقت مساوات اور برابری کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کلائی کاٹنا تو ہڈی کو توڑنا ہے، اور اس کے لیے کوئی معیار اور تحدید ممکن نہیں ہے کہ خاص ایسی جگہ سے ہڈی توڑی جائے جہاں تک جرم کرنے والے نے توڑی تھی، اور ایسا کوئی طریقہ معین نہیں ہے جس کی مدد سے ہڈی جہاں سے توڑنا چاہیں وہیں سے ٹوٹے۔ اس بنا پر اس صورت میں قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور اسی طرح دوسری صورت میں اچھا ہونا نادر ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ جائفہ زخم کا قصاص ہلاکت تک نوبت پہنچا دے گا۔ لہٰذا یہ صورت بھی اس کا امکان نہیں رکھتی کہ قصاص مقرر کیا جائے۔[1]

---

[1] ایضاً، ص: ۵۷۰

ہاتھ کا قصاص :

اگر ایک شخص نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا، جس کا ہاتھ کاٹا اس کا ہاتھ تو تندرست تھا، اور جس نے ہاتھ کاٹا، اس کا ہاتھ شل ہے، یا انگلیاں کٹی ہوئی ہیں، یا اور کوئی خرابی ہے جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس کو اختیار ہے چاہے تو وہ مجرم کا قصاص میں ہاتھ کٹوا دے۔ اور چاہے تو اس سے ہاتھ کی کامل دیت وصول کر لے۔ قصاص لینے کی صورت میں کسی اور چیز کے مطالبے کا حق نہ ہوگا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ مجرم کا ہاتھ عیب دار تھا[1]

اگر مجرم کا عیب دار ہاتھ ساقط ہو گیا، قبل اس کے کہ وہ شخص جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے، قصاص یا تاوان کی کوئی صورت اختیار کرے۔ یا مجرم کا عیب دار ہاتھ کسی اور شخص نے ظلماً کاٹ ڈالا، تو اب اس شخص کے لیے جس کا ہاتھ کاٹا تھا، کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہے گا، کیونکہ مقطوع (جس کا ہاتھ کاٹا گیا) کا حق تو قصاص میں متعین تھا، اور اس کے بجائے مال کی طرف منتقل ہونا اس کے اختیار اور پسند کی بنا پر تھا، تو جب قصاص کا اصل محل ہی باقی نہ رہا، تو اس کا حق بھی ساقط ہو جائے گا

برخلاف اس صورت کے کہ اگر مجرم کا ہاتھ کسی ایسے حق کی بنا پر کاٹا جاتا جو کہ اس پر عائد تھا، قصاص ہو یا سرقہ، تو اس وقت مجرم پر مقطوع کے لیے ارش واجب ہوتا ہے، کیونکہ مجرم نے اس ہاتھ کے ذریعے ایک حقِ لازم کو ادا کیا ہے۔ تو گویا یہ ہاتھ اس کے لیے محفوظ و سالم ہے اور جب اصل محلِ قصاص موجود ہوگا تو اس کے مالی عوض کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اصل قصاص اب ناممکن ہو گیا ہے[2]

سر کا قصاص :

اگر کسی شخص نے دوسرے کے سر کو زخمی کر دیا عمداً۔ اور وہ زخم اس شخص کے سر کے اگلے

---

[1] ایضاً۔ ص : ۵۷۰

[2] ایضاً۔ ص : ۵۷۰

حصّے کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک احاطہ کرنے والا ہے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ یہ مقدارِ زخم اپنے طول وعرض سے زخمی کرنے والے کے سر کے دونوں کناروں کو گھیرنے والی نہیں ہے۔ اس کے سر کے بڑا ہونے کی وجہ سے، تو زخمی شخص کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اپنے زخم کی بمقدار قصاص لے لے، سر کی دونوں جانبوں میں سے جس جانب سے چاہے قصاص کی (زخمی کرنے کی) ابتداء کرے۔ اور اگر چاہے تو تاوان لے لے۔

زبان، اور عضوِ تناسل کے کاٹنے میں قصاص نہیں ہے۔ بلکہ صرف دیت لازم ہوگی۔

امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ: اگر کسی نے کسی کی زبان، یا عضوِ تناسل جڑ سے کاٹ دیا تو قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں برابری ممکن ہے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ زبان اور عضوِ تناسل سکڑتے، اور پھیلتے ہیں اس لیے مساوات اور برابری کا امکان نہ رہا، اور جب مساوات اور برابری نہ رہی تو قصاص بھی ساقط ہو گیا۔ (صرف دیت رہ گئی)۔

البتہ اگر حشفہ کاٹ دیا تو اس میں قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس وقت قطع کی جگہ معلوم و متعین ہے، جس طرح اعضاء کے جوڑ معین اور واضح ہوتے ہیں۔

اگر عضوِ تناسل یا حشفہ کا بعض حصّہ کاٹ دیا تو اس میں بھی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ تاوان لازم ہوگا۔

اگر ہونٹ پورے طور پر کاٹ دیا تو قصاص واجب ہوگا۔ برابری کا امکان پائے جانے کی وجہ سے، لیکن اگر ہونٹ کا بعض حصّہ کاٹا تو قصاص نہیں ہوگا، صرف دیت ہوگی[1]

اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا، تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ البتہ ان دونوں کے ذمہ آدھی آدھی دیت لازم ہوگی[2]

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں پر قصاص واجب ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر قتلِ نفس میں دو شخص قاتل ہوں، یعنی دو آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کیا ہو تو

---

[1] ایضاً۔ ص: ۵۷۱

[2] ایضاً۔ ص: ۵۷۳

ان دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی مذکورہ بالا صورت میں دونوں آدمیوں کے ہاتھ قصاص میں کاٹنے کا حکم اس صورت میں دیتے ہیں جب کہ ہاتھ کاٹنے والا دونوں آدمیوں نے پکڑا ہو، مثلاً چھری وغیرہ ہونے کی صورت میں دونوں نے مل کر اس سے ہاتھ کاٹا ہو[1]

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا، ان دونوں نے حاضر ہو کر دعویٰ کیا، تو ان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ قاطع کا دایاں ہاتھ بطور قصاص کٹوا دیں، اور دوسرے دائیں ہاتھ کے بالمقابل اس سے نصف دیت وصول کرلیں۔ اور اس دیت کو یہ دونوں آپس میں مساوی طور پر تقسیم کرلیں، خواہ اس قاطع نے ان دونوں کا ہاتھ ایک ساتھ کاٹا ہو یا یکے بعد دیگرے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے کاٹنے کی صورت میں اس قاطع شخص کا ہاتھ اوّل کے قصاص میں کاٹا جائے گا، اور دوسرے ہاتھ کے کاٹنے پر دیت لازم ہوگی۔

اور اگر دونوں ہاتھ بیک وقت کاٹے ہیں تو قرعہ نکالا جائے گا، جس ہاتھ کے قصاص کا قرعہ نکل آیا، اس کے قصاص میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور دوسرے ہاتھ کی دیت وصول کی جائے گی[2]

اگر ایک عورت نے کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دیا، اور پھر اس کے عوض اس سے نکاح کر لیا، تو اس عورت کے لیے اُس مرد پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اور ہاتھ کاٹنے کے جرم میں عورت کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی۔ اگر ہاتھ خطاءً کاٹا ہے۔

لیکن اگر عمداً ہاتھ کاٹا ہو تو پھر دیت عورت کے مال میں سے ادا کی جائے گی[3]

اگر ایک شخص نے کسی کا ہاتھ عمداً کاٹ دیا، اس کے بعد قاطع سے ہاتھ کاٹنے کا قصاص لے لیا گیا، لیکن چند روز بعد وہ شخص مر گیا جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ تو اب اس شخص کو جس کا ہاتھ قصاص میں کاٹا جا چکا ہے، اس کی جان کے قصاص میں قتل کیا جائے گا[4]

---

[1] ایضاً۔ ص: ۵۷۴

[2] ایضاً۔ ص: ۵۷۴

[3] ایضاً۔ ص: ۵۷۴

[4] ایضاً۔ ص: ۵۷۵

اگر کسی شخص نے کسی کا ہاتھ کاٹ لیا، پھر اس نے جس کا ہاتھ کاٹا گیا، مجرم کو معاف کر دیا۔ اور اس کے بعد وہ شخص جس کا ہاتھ کاٹا گیا، مر گیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر دیت ہوگی۔ لیکن اگر مقطوع نے اس قطع سے جو کچھ بھی پیش آئے وہ بھی معاف کر دیا اور بعد میں مر گیا تو اس صورت میں دیت بھی نہ ہوگی۔

اور صاحبین نے فرمایا ہے پہلی صورت میں اس شخص نے جو معاف کیا ہے وہ جان کی بھی معافی سمجھی جائے گی۔[1]

---

[1] ایضاً۔ ص: ۵۷۶

آٹھواں باب

زخموں کے احکام

زخموں کی دس قسمیں ہیں:

۱۔ حارصہ: حارصہ، اس زخم کو کہتے ہیں جو کھال میں خراش پیدا کر دے۔ لیکن اس حد تک نہ ہو کہ خون ظاہر ہو جائے۔

۲۔ دامعہ: وہ زخم ہے جو خون ظاہر کر دے، یعنی خون جلد سے باہر آجائے مگر جلد پر بہے نہیں۔

۳۔ دامیہ: دامیہ، اس زخم کو کہتے ہیں جس سے خون ظاہر ہو کر یعنی نکل کر جلد پر بہ جائے۔

۴۔ باضعہ: باضعہ، وہ زخم ہے جو کھال کو پھاڑ کر گوشت تک سرایت کر جائے۔

۵۔ متلاحمہ: متلاحمہ، اس زخم کو کہتے ہیں جو کھال پھاڑ کر گوشت تک پہنچ جائے اور اس کے بعد گوشت میں بھی سرایت کر جائے۔

۶۔ سمحاق: وہ زخم ہے جو سر کی ہڈی اور گوشت کی درمیانی جھلی تک پہنچ جائے۔ (سمحاق۔ اس باریک کھال اور جھلی کو کہا جاتا ہے جو سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیان حائل ہوتی ہے)۔

۷۔ موضحہ: موضحہ، وہ زخم ہے جو کھال اور گوشت کو پھاڑنے کے بعد ہڈی کو ظاہر کر دے (یعنی گوشت اتنے واضح طور پر کٹ جائے کہ نیچے کی ہڈی صاف نظر آنے لگے)۔

۸۔ ہاشمہ: ہاشمہ، اس زخم کو کہیں گے جو کھال اور گوشت کو کاٹنے کے بعد ہڈی کو بھی توڑ دے۔

۹۔ منقلہ: منقلہ، وہ زخم ہے جو ہڈی کو توڑنے کے بعد اس کی اپنی اصل جگہ سے ہٹا دے۔

۱۰۔ آمّہ: آمّہ، اس زخم کو کہا جاتا ہے جو زخم اُمّ الراس یعنی دماغ کی ہڈی تک پہنچ جائے[1]

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۹۰

تشریح: مذکورہ بالا زخموں کی جو دس قسمیں بیان کی گئیں، ان کو فقہاء نے "شجہ" اور "شجاج" سے تعبیر کیا ہے، شجہ سے فقہاء صرف وہ زخم مراد لیتے ہیں جو سر پر آئے، اور چہرہ پر ہو، سر سے لے کر ٹھوڑی تک، فقہائے احناف کے نزدیک چہرے میں دونوں جبڑے بھی داخل ہوں۔

اور جو زخم، سر اور چہرے کے سوا جسم کے دوسرے حصوں پر آئیں تو اگر وہ ایسے کاری ہوں کہ گوشت پھٹ کر یا کٹ کر ہڈی کھل جائے۔ یعنی نظر آنے لگے، یا ضرب سے ہڈی ٹوٹ جائے تو اس میں حکومت عدل واجب ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۴۱)

تشریح: صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "شجہ" وہ زخم ہے جو سر اور چہرہ پر آئے، اور سر اور چہرہ کے علاوہ، جسم کے دوسرے کسی حصہ پر جو زخم آئے اس کو "جراحۃ" کہا جاتا ہے۔

سر اور چہرے کے علاوہ، جسم کے دوسرے حصہ پر جو زخم واقع ہوں، شریعت کی طرف سے ان کی کوئی دیت مقرر نہیں ہے۔ اس صورت میں صرف حکومت عدل واجب ہوگی۔

(ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۹۱)

صرف موضحہ میں قصاص ہے:

زخموں کی جو قسمیں بیان کی گئیں، ان میں سے صرف موضحہ میں قصاص ہے اگر عمداً زخمی کیا ہو، کیونکہ نبی علیہ السلام نے موضحہ زخم میں قصاص کا فیصلہ فرمایا تھا، اور اس میں قصاص اس لیے بھی ہے کہ یہ بات ممکن ہے کہ چھری ہڈی تک پہنچا دی جائے۔ تو اس طرح یہ دونوں زخم برابر ہو جائیں گے۔ اور قصاص کے لیے شرط مساوات اور مماثلت ہی ہے، جب مساوات متحقق ہو سکتی ہے تو بلاشبہ قصاص بھی متحقق و ثابت ہو سکتا ہے۔

"موضحہ" کے علاوہ باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے کیونکہ باقی زخموں میں قصاص لینے کی صورت میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان زخموں میں کوئی ایسی حد نہیں ہے کہ چھری اس جگہ پر جا کر ٹھہرے، نیز یہ بھی وجہ ہے کہ موضحہ سے زیادہ کاری زخموں (ہاشمہ، منقلہ اور آمّہ) میں ہڈی کا توڑنا ہوتا ہے، اور ہڈی توڑنے میں برابری اور یکسانیت ممکن نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ: موضحہ سے کم درجے کے جو زخم ہیں

(حارصہ، دامعہ، دامیہ، باصعہ، متلاحمہ، سمحاق) ان میں بھی قصاص لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان زخموں میں ہڈی کو توڑنا نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایسے زخموں کے قصاص میں جان کے ہلاک اور ضائع ہونے کا کا اندیشہ ہے۔

موضحہ سے کم درجہ کے زخموں میں حکومتِ عدل ہے۔ کیونکہ اس قسم کے زخموں میں شریعت کی طرف سے کوئی دیت متعین نہیں ہے، لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان زخموں کو کلی طور پر نظرانداز کردیا جائے لہٰذا اس کا اعتبار اور تعیین صاحبِ عدل اور صاحبِ بصیرت لوگوں کی رائے اور فیصلہ کے مطابق ہی کرنا ہوگا۔

موضحہ زخم اگر خطائً ہو تو اس میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اور ہاشمہ زخم میں دیت کا دسواں حصہ واجب ہے۔

اور زخم آمّہ میں دیت کا تہائی حصہ واجب ہے، اور زخم جائفہ میں بھی دیت کا تہائی حصہ واجب ہے۔ لیکن اگر زخم جائفہ دونوں جانب پھوٹ جائے جس کے باعث یہ دو جائفہ زخموں کی طرح ہو جائے تو اس میں دیت کی دو تہائیاں واجب ہوں گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: موضحہ میں پانچ اونٹ ہیں، ہاشمہ میں دس اونٹ ہیں، منقلہ میں پندرہ اونٹ ہیں، اور منقلہ میں دیت کا تہائی حصہ واجب ہے۔ نیز نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جائفہ زخم میں تہائی دیت ہے[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے جائفہ زخم میں اگر وہ دوسری جانب تک سرایت کر جائے، دو تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا، اس صورت میں دو تہائی دیت کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ جب وہ دوسری جانب تک پہنچ گیا تو گویا دو جائفہ زخم ہو گئے۔ ایک پیٹ کی جانب سے اور دوسرا پشت کی جانب سے۔ اور ہر جائفہ میں ایک تہائی دیت ہوتی ہے۔

فقہاء نے سر کے زخم کی اور ایک قسم بھی بیان کی ہے، جس کا نام "دامغہ" ہے لیکن امام محمد رحمہ اللہ نے اس کو اسی وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ عام احوال میں یہ زخم قتل کے درجے میں پہنچ جاتا ہے، اور محض ایسی جنایت کے درجے میں محدود نہیں رہتا کہ اس پر دیت کا کوئی خاص حصہ لازم کیا جائے[2]

---

[1] ہدایہ، ج ۴، ص: ۵۹۰، ۵۹۱۔

[2] ایضاً، ص: ۵۹۱۔

حکومتِ عدل کیا ہے؟

"حکومتِ عدل" سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت میں امام کرخی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اس زخم کی نوعیت، اور مقدار کا اندازہ موضحہ زخم سے لگایا جائے۔ اگر یہ موضحہ کے برابر ہے تو اس میں بھی دیت کا بیسواں حصہ واجب کر دیا جائے۔ (موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے)۔ اور اگر موضحہ سے نصف ہو تو دیت کے بیسویں حصہ کا آدھا (بطور حکومتِ عدل) واجب کر دیا جائے۔ یعنی دیت کا چالیسواں حصہ[1]

ہاتھ کی ہتھیلی کاٹنے کی سزا:

اگر کسی شخص نے کسی کے ہاتھ کی ہتھیلی کاٹ دی) اور صورتِ حال یہ ہے کہ اس ہتھیلی میں صرف ایک انگلی ہے تو دیت کا دسواں حصہ واجب ہو گا، اور اگر دو انگلیاں موجود ہوں تو دیت کا پانچواں حصہ واجب ہو گا، اور ہتھیلی کے لیے کچھ بھی واجب نہ ہو گا۔

اگر ہتھیلی میں تین انگلیاں ہیں تو بالاجماع انگلیوں کا جرمانہ واجب ہو گا، اور ہتھیلی کے بارے میں کچھ نہ ہو گا۔

شیر خوار بچے کی آنکھ، اس کی پیشاب گاہ، اور اس کی زبان ضائع کر دینے میں حکومتِ عدل ہے۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوری دیت لازم ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی کے سر میں موضحہ زخم لگایا، اس موضحہ زخم کی وجہ سے اس کی عقل جاتی رہی یا اس کے سر کے بال اُڑ گئے، اور پھر نہ جمے تو موضحہ کا تاوان، دیت میں داخل ہو جائے گا۔ اور ان دو صورتوں کے علاوہ موضحہ کا تاوان، دیت میں داخل نہیں ہوا ہے۔

اگر کسی نے کسی شخص کی بھوؤں پر زخم (موضحہ) لگایا اور اس کے بال گر گئے، اور پھر نہ جمے، تو اس پر آدھی دیت لازم ہو گی۔ اور موضحہ کا تاوان اس میں داخل ہو گا۔

اگر اس کے سبب اس کی سماعت، یا بصارت، یا قوتِ گویائی جاتی رہی، تو اس پر موضحہ کا ارش (تاوان) مع دیت کے لازم ہو گا[1]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۴۲

اگر ایک شخص نے عمداً دوسرے کو موضحہ زخم پہنچایا، اور اس سے اس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو گئیں تو اس میں قصاص نہیں ہے، مگر دونوں آنکھوں کی دیت واجب ہو گی۔

صاحبین کہتے ہیں کہ: موضحہ کا قصاص واجب ہو گا، اور آنکھوں کی دیت واجب ہو گی[1]

---

[1] ایضاً

نواں باب

احکام دیت

تشریح:

دیت، لغت کی رو سے مصدر ہے، بمعنی دیت ادا کرنا، تاوان ادا کرنا، فقہ کی زبان میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو جان کے عوض، مقتول کے ورثاء کو ادا کیا جائے۔ اعضاء اور جوارح کے اطراف کے عوض پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن لفظ "ارش" بالخصوص اسی معاوضہ کو کہتے ہیں جو کہ اعضاء اور اطراف کا ہو، نہ کہ جان کا،

دیت کن صورتوں میں واجب ہوتی ہے؟

قتل خطاء، قتل قائمقام خطاء، قتلِ شبہ عمد، اور قتل بسبب میں دیت واجب ہوتی ہے اور یہ سب دیتیں قاتل کی مددگار برادری پر واجب ہوتی ہیں۔ سوائے باپ کے بیٹے کو قتل کرنے کی صورت میں، اس وقت براہِ راست باپ کے مال میں دیت لازم ہوگی جو کہ تین سال میں واجب الادا ہوگی۔

نیز نابالغ اور مجنون کے قتل کرنے میں بھی دیت واجب ہوتی ہے، اور یہ بھی مددگار برادری پر ہوگی۔[1]

اور اگر قتلِ عمد میں، قاتل پر سے قصاص، شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو اس کی دیت بھی قاتل کے مال میں سے ادا کرنی واجب ہوتی ہے۔

جو دیت نفس قتل کے سبب لازم ہوتی ہے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین چیزوں کے ذریعے ادا کی جا سکتی ہے۔

---

[1] فتاوی عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۳۳۲

۱۔ اونٹ

۲۔ سونا

۳۔ چاندی

اونٹوں کے ذریعے اگر دیت ادا کی جائے گی تو ایک سو اونٹ دینے ہوں گے، سونے کی صورت میں ایک ہزار دینار، اور چاندی کی صورت میں دس ہزار درہم[1]

امام ابویوسف اور امام محمد کہتے ہیں کہ دیت، اونٹ، سونا، اور چاندی کے علاوہ گائے بکری، اور کپڑوں کے ذریعے بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ گائے کی صورت میں دو سو گائیں، بکری کی صورت میں ایک ہزار بکریاں، اور کپڑے کی صورت میں دو سو جوڑے، اور ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہوگا[2]

دیت میں دیئے جانے والے اونٹ سو کے سو ایک ہی عمر کے نہ ہوں گے، پانچ مختلف عمروں کے ہوں گے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ بنت مخاض	۲۰ عدد
۲۔ ابن مخاض	۲۰ عدد
۳۔ بنت لبون	۲۰ عدد
۴۔ حقہ	۲۰ عدد
۵۔ جذعہ	۲۰ عدد

قتلِ شبہِ عمد میں سو اونٹ چار قسم کے بطور دیت واجب ہوں گے۔ حسب ذیل تفصیل کے ساتھ:

۱۔ بنت مخاض	۲۵ عدد
۲۔ بنت لبون	۲۵ عدد
۳۔ حقہ	۲۵ عدد

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۳۲۲ [2] جوڑے میں دو کپڑے ہوں گے۔ قمیص، شلوار، پاجامہ تہبند۔ حسب رواج ۱۲

۴۔ جذعہ ۲۵ عدد

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا کہ قتلِ خطاء کی دیت کتنی ہونی چاہیئے۔ اہلِ سنت کے چاروں فقہی مسالک اسی کے قائل ہیں کہ قتلِ خطاء کی دیت سو اونٹ ہیں۔ یا اونٹ نہ ہونے کی صورت میں ان کی قیمت۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ سو اونٹ کس عمر، اور کس صنف کے ہونے چاہئیں۔؟

حضرت عمر فاروق، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قتلِ خطاء کی دیت پانچ برابر قسموں کے اونٹوں پر مشتمل ہوگی:

۱۔ ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں ۲۰ عدد

۲۔ دو سال سے زائد عمر کے اونٹ ۲۰ عدد

۳۔ دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں ۲۰ عدد

۴۔ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ ۲۰ عدد

۵۔ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ ۲۰ عدد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے یہ تھی کہ قتلِ خطاء کی دیت چار برابر قسموں کے اونٹوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔

۱۔ ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں ۲۵ عدد

۲۔ دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں ۲۵ عدد

۳۔ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ ۲۵ عدد

۴۔ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ ۲۵ عدد

قتلِ شبہِ عمد کی دیت میں دیئے جانے والے اونٹوں کی عمروں کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: شبہِ عمد کی دیت میں ایک سو اونٹ حسب ذیل تفصیل کے ساتھ دیئے جائیں:

۱۔ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ ۳۰ عدد
۲۔ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ ۳۰ عدد
۳۔ چھٹے تا نویں سال تک کی اونٹنیاں جو سب کی سب
گابھن ہوں۔ ۴۰ عدد ؎۱

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ ۳۳ عدد
۲۔ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ ۳۳ عدد
۳۔ چھ تا نو سال عمر تک اونٹنیاں جو سب کی سب
گابھن ہوں۔ ۳۴ عدد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر دیت انہی اموال کی شکل میں عائد کی ہے، جو ان کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ اونٹ والوں پر ایک سو اونٹ، گائے والے پر دو سو گائے، بکریوں والوں پر ہزار بکریاں، کپڑے والوں پر کپڑے (دو سو جوڑے) سونے والوں پر سونا، اور چاندی والوں پر چاندی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سونا رکھنے والوں پر دیت کی مقدار ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں کے لیے دس ہزار درہم، اونٹ رکھنے والوں کے لیے ایک سو اونٹ، گائے رکھنے والوں کے لیے دو سو گائے، بکری والوں کے لیے ایک ہزار بکریاں، اور کپڑے والوں کے لیے دو سو جوڑے مقرر کی ہے ؎۲

قتلِ شبہِ عمد کی دیت:

قتلِ شبہِ عمد میں دیتِ مغلظہ واجب ہوتی ہے، قاتل کی مددگار برادری پر، اور قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اور قتلِ شبہِ عمد کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر مومن غلام کو آزاد کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا اس کے حصول کی کوئی صورت نہ ہو۔ جیسے آج کل اکثر ملکوں

؎۱ کتاب الخراج۔ ؎۲ کتاب الخراج۔ (فصل قصاص ودیت)

میں ہے کہ عملاً غلام کا شرعی نقطۂ نظر سے کوئی وجود نہیں ہے) تو پھر قاتل پر دو ماہ کے پے درپے روزے رکھنا لازم ہے۔ اور اس کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہیں ہے۔

کفارہ میں قاتل کو ایسا دودھ پیتا غلام بھی آزاد کرنا کافی ہوگا جس کے والدین میں سے کوئی ایک آزاد ہو۔

اور جو بچہ (غلام) ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہے اس کا آزاد کرنا کافی (جائز) نہ ہوگا کیونکہ ابھی نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ حالت میں پیدا ہوگا، اور نہ یہ امر یقینی ہے کہ پیدائش کے وقت اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں گے۔

اور قتلِ شبہِ عمد میں جو کفارہ بیان کیا گیا، یہی کفارہ قتلِ خطاء میں بھی ہوگا[1]

قتلِ خطاء کی دیت:

اور جو قتل بطور خطاء واقع ہو (قتلِ خطاء ہو)، اس میں دیت قاتل کی مددگار برادری پر واجب ہوتی ہے۔ اور کفارہ قاتل پر واجب ہوتا ہے۔

اور قتلِ خطاء میں دیت، ایک سو اونٹ ہیں، اس طرح کہ وہ پانچ قسموں پر تقسیم ہوں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

سونے کے ذریعے اگر دیت ادا کی جائے تو ایک ہزار دینار ہوں گے، اور اگر چاندی کے ذریعے ادا کی جائے تو دس ہزار درہم ادا کی جائے گی۔

امام شافعی کے نزدیک چاندی کے ذریعے ادا کرنے کی صورت میں بارہ ہزار درہم ادا کئے جائیں گے۔

عورت کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی منقول ہے[2]

مسلمان، اور ذمی کی دیت برابر ہے۔ بعض فقہاء احناف کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہے[3]

---

[1] ہدایہ۔ جلد: ۴، ص: ۵۸۳، ۵۸۴ [2] ہدایہ۔ جلد: ۴، ص: ۵۸۴

[3] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۹، ص: ۳۲۳

اعضائے بدن کی دیت

تشریح:

فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک اعضائے بدن کی دیت کے بارے میں قاعدۂ کلیہ اور اصول یہ ہے کہ: مجرم کی جنایت جب انسان کے کسی عضو کی جنسِ منفعت کو کلی طور پر زائل کر دے، یا انسان کے اس جمال کو زائل کر دے (پورے طور پر) جو مقصود ہے، تو ایسی صورت میں کامل دیت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مجرم نے گویا پوری جان ہی تلف کر دی ہے۔ لہذا اس نقصان کو جان تلف کر دینے کے برابر قرار دیا گیا، انسانی تعظیم اور شرف کی وجہ سے، نبی علیہ السلام نے زبان اور ناک کاٹنے کی پوری دیت (جو نفس انسان کی ہوتی ہے) کا حکم فرمایا تھا[1]

انسان کی جان کی بہ نسبت، اس کے اعضاءِ بدن کی دیت میں زیادہ تفصیلات ہیں۔ اس لیے جدول کے انداز میں اختصار کے ساتھ مرتب کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

آنکھ کی دیت:

۱۔ دونوں آنکھیں پھوڑ دیں۔	دیتِ کاملہ
۲۔ دونوں آنکھوں کی بینائی زائل کر دی۔	دیتِ کاملہ
۳۔ ایک آنکھ پھوڑ دی۔	دیتِ کاملہ کا آدھا
۴۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل کر دی۔	دیتِ کاملہ آدھا
۵۔ چاروں پلکیں کاٹ دیں (بالوں سمیت)۔	دیتِ کاملہ
۶۔ دو پلکیں کاٹ دیں (بالوں سمیت)۔	دیتِ کاملہ کا نصف
۷۔ ایک پلک کاٹ دی (بالوں سمیت)	دیت کاملہ کا چوتھائی
۸۔ تین پلکیں کاٹ دیں (بالوں سمیت)	دیت کاملہ کا تین چوتھائی

[1] ہدایہ جلد ۴ ، ابواب الدیات۔

۹۔ چاروں پلکوں کے صرف بال ضائع کئے۔	دیتِ کاملہ
۱۰۔ دو پلکوں کے صرف بال ضائع کئے۔	دیتِ کاملہ کا نصف
۱۱۔ تین پلکوں کے صرف بال ضائع کئے۔	دیتِ کاملہ کا تین چوتھائی
۱۲۔ ایک پلک کے صرف بال ضائع کئے۔	دیتِ کاملہ کا چوتھائی
۱۳۔ دونوں آنکھیں مع پلکوں کے ضائع کردیں۔	دو کامل دیتیں
۱۴۔ ایک آنکھ پلک کے ساتھ ضائع کردی۔	ایک کامل دیت

ناک کی دیت:

۱۔ ناک کو جڑ سے کاٹتے ہیں۔	کامل دیت
۲۔ ناک کے نرم حصّہ کو کاٹتے ہیں۔	کامل دیت
۳۔ سونگھنے کی قوت زائل کردی۔	کامل دیت
۴۔ ایک نتھنے کی سونگھنے کی قوت زائل کردی۔	دیتِ کاملہ کا نصف
۵۔ ناک کا نرم حصّہ کاٹا، اس کے صحت یاب ہونے سے قبل بقیہ ناک بھی کاٹ دی۔	کامل دیت
۶۔ ناک کاٹنے کے نتیجہ میں سونگھنے کی قوت زائل ہوگئی۔	دو کامل دیتیں
۷۔ ناک کا نرم حصّہ کاٹا، اس کے صحت یاب ہونے کے بعد بقیہ ناک بھی کاٹ دی۔	دیتِ کاملہ اور حکومتِ عدل
۸۔ واجب الدیت حصّہ ناک کا آدھا حصہ کاٹا۔	دیتِ کاملہ کا نصف
۹۔ واجب الدیت حصّہ ناک کا ایک تہائی حصّہ کاٹا۔	دیتِ کاملہ کا تہائی
۱۰۔ ناک پر ایسی چوٹ ماری کہ سانس لینا ممکن نہ رہا۔	حکومتِ عدل

کان کی دیت:

۱۔ دونوں کان کاٹ ڈالے۔	دیتِ کاملہ
۲۔ دونوں کانوں کی سننے کی قوت زائل کردی۔	دیتِ کاملہ
۳۔ دونوں کان کاٹ دیئے، اور قوتِ سامعہ بھی زائل ہوگئی۔	دو کامل دیتیں
۴۔ ایک کان کاٹ دیا۔	دیتِ کاملہ کا آدھا
۵۔ ایک کان کی قوتِ سامعہ زائل کردی۔	دیتِ کاملہ
٦۔ آدھا کان کاٹ دیا۔	ایک کان کی دیت کا آدھا
۷۔ آدھے سے کم کان کاٹا۔	دیت بقدرِ جنایت

زبان کی دیت:

۱۔ پوری زبان کاٹ دی۔	دیتِ کاملہ
۲۔ قوتِ گویائی کو زائل کردیا۔	دیتِ کاملہ
۳۔ صرف چکھنے کی قوت زائل کی۔	دیتِ کاملہ
۴۔ چکھنے اور بولنے کی (دونوں) قوتوں کو زائل کردیا۔	دو کامل دیتیں
۵۔ قوتِ گویائی جزوی طور پر زائل کردی۔	دیت بقدرِ جنایت
٦۔ قوتِ ذائقہ جزوی طور پر زائل کردی۔	دیت بقدرِ جنایت
۷۔ گونگے کی زبان کاٹ دی جس میں قوتِ ذائقہ نہ تھی۔	حکومتِ عدل

ہونٹوں کی دیت:

۱۔ دونوں ہونٹ کاٹ دیئے۔	دیتِ کاملہ

۲۔ ایک ہونٹ کاٹنا۔	کامل دیت کا آدھا
۳۔ ہونٹ کا کچھ حصّہ کاٹا	دیت بقدر جنایت

دانتوں کی دیت:

۱۔ ایک دانت اکھاڑ دیا۔	دیتِ کاملہ کا $\frac{1}{20}$
۲۔ سامنے کے دانت کو ضرب سے سیاہ کر دیا۔	ایک دانت کی دیت[1]
۳۔ ضرب وغیرہ سے دانت کے چبانے کی قوت ختم کر دی۔	ایک دانت کی دیت
۴۔ ضرب سے دانت ہلنے لگا، مگر رنگ متغیر نہیں ہوا۔	حکومتِ عدل

جبڑے کی دیت:

۱۔ دونوں جبڑے توڑ دیئے۔	دیتِ کاملہ
۲۔ ایک جبڑا توڑا۔	دیتِ کاملہ کا آدھا

داڑھی، مونچھ اور سر کے بالوں کی دیت:

۱۔ پوری داڑھی، یا آدھی اس طرح اکھاڑ دی کہ دوبارہ نہ اُگ سکے۔	دیتِ کاملہ
۲۔ آدھی سے کم داڑھی اکھاڑ دی، جو دوبارہ نہ اُگ سکے۔	حکومتِ عدل

۳۔ پورے سر کے، یا آدھے سر کے بال اس

---

[1] فقہاء نے ایک دانت کی دیت کا اندازہ پانچ سو درہم لگایا ہے۔

طرح اکھاڑ دیئے کہ دوبارہ نہ اُگ سکیں۔	دیتِ کاملہ
۴۔ سر کے آدھے سے کم بال اکھاڑ دیئے۔	حکومتِ عدل
۵۔ اگر بال دوبارہ اُگ آئیں۔	تعزیری سزا
۶۔ مونچھیں زائل کیں، اور وہ دوبارہ نہ نکلیں۔	حکومتِ عدل
۷۔ دونوں ابرو کے بال اکھاڑ دیئے جو دوبارہ نہ نکل سکے۔	دیتِ کاملہ کا آدھا

ہاتھ، پاؤں، ناخن کی دیت:

۱۔ دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔	دیتِ کاملہ
۲۔ دونوں ہاتھ ناکارہ کر دیئے۔	دیت کاملہ
۳۔ ایک ہاتھ کاٹ دیا۔	دیتِ کاملہ کا آدھا
۴۔ ایک ہاتھ شل کر دیا۔	دیتِ کاملہ کا آدھا
۵۔ ہاتھ کے ساتھ بازو بھی کاٹ دیا۔	دیتِ کاملہ کا آدھا، اور حکومتِ عدل
۶۔ ہاتھ یا پاؤں کی کسی بھی انگلی کو کاٹ دیا، یا ناکارہ کر دیا۔	دیتِ کاملہ کا ۱/۱۰
۷۔ تین جوڑ والی انگلی کے ایک جوڑ کو کاٹا، یا ناکارہ کر دیا۔	ایک انگلی کی دیت کا ۱/۳
۸۔ دو جوڑ والی انگلی کے ایک جوڑ کو کاٹا، یا ناکارہ کر دیا۔	ایک انگلی کی دیت کا آدھا
۹۔ (پانچ سے) زائد انگلی کو کاٹ دیا۔	حکومتِ عدل
۱۰۔ ناخن اکھاڑ دیا، دوبارہ نہ نکل سکے۔	حکومتِ عدل
۱۱۔ دونوں پاؤں کاٹ دیئے یا ناکارہ کر دیئے۔	دیتِ کاملہ

۱۲۔ ایک پاؤں کاٹ دیا، یا ناکارہ کر دیا۔	دیت کاملہ کا آدھا
۱۳۔ ایک پاؤں، اور پنڈلی کاٹ دی۔	دیت کاملہ کا آدھا، اور حکومت عدل

عقل زائل کرنے کی دیت:

۱۔ عقل مکمل طور پر زائل کر دی۔	کامل دیت
۲۔ عقل جزوی طور پر زائل کی۔	دیت بقصد جنایت

ریڑھ کی ہڈی کی دیت:

۱۔ ریڑھ کی ہڈی پر اس طرح ضرب لگائی کہ مادہ منویہ منقطع ہو گیا، یا مضروب کبڑا ہو گیا۔	کامل دیت

شرمگاہ کی دیت:

۱۔ پیشاب یا پاخانے کے مقام کو اس طرح نقصان پہنچایا کہ پیشاب اور پاخانہ رکتا نہیں۔	کامل دیت
۲۔ عورت کی شرمگاہ اس طرح کاٹی کہ جماع ناممکن ہو گیا۔	کامل دیت
۳۔ عورت کی شرمگاہ اس طرح کاٹی کہ پیشاب روکنے کی قوت ختم ہو گئی۔	کامل دیت
۴۔ مرد کا عضو تناسل کاٹ دیا۔	کامل دیت
۵۔ مرد کی شہوتِ جماع ختم کر دی۔	کامل دیت
۶۔ مرد کے عضو تناسل کا اگلا حصہ (حشفہ) کاٹ دیا۔	کامل دیت
۷۔ مرد کے خصیئے کاٹ دیئے یا ناکارہ کر دیئے۔	کامل دیت

۸۔ دونوں سرین کاٹ دیئے۔	کامل دیت
۹۔ ایک سرین کاٹ دیا۔	دیتِ کاملہ کا نصف

عورت کے پستان کی دیت:

۱۔ عورت کے دونوں پستان کاٹ دیئے۔	کامل دیت
۲۔ عورت کے دونوں پستان ناکارہ کردیئے۔	کامل دیت
۳۔ دونوں بھیٹنیاں کاٹ دیں۔	کامل دیت
۴۔ ایک پستان کاٹ دی۔	دیتِ کاملہ کا آدھا
۵۔ ایک بھٹنی کاٹ دی، یا ناکارہ کردی۔	دیتِ کاملہ کا آدھا

(ماخوذ: ہدایہ۔ جلد۴، ص: ۵۹۲ – ۵۹۷، فتاویٰ عالمگیری۔ جلد۹، ص: ۳۳۲-۳۳۷)

دسواں باب

شہادتِ قتل

شہادت کے لغوی معنی:

لغت میں شہادت، حتمی اور قطعی خبر کو کہتے ہیں[۱]

فقہی تعریف:

فقہ کی زبان میں شہادت کے معنی ہیں: کسی واقعہ کے بارے میں اپنے مشاہدے اور معائنے کے مطابق خبر دینا، نہ کہ ظن اور تخمین کی بنیاد پر۔[۲]

مجلۃ الاحکام العدلیہ نے شہادت کی تعریف یوں کی ہے: یلزم ان یکون الشہود قد عاینہ بالذات المشہود بہ وان یشہدوا علی ذلک الوجہ ولا یجوز ان یشہدوا بالسماع[۳]۔

یعنی گواہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کی گواہی دے اسے اس نے خود دیکھا ہو، اور اپنی شہادت میں اس کا اقرار بھی کرے، محض سننے کی بنا پر کسی چیز کی شہادت دینا جائز نہیں ہے۔

شہادت کی بنیادی شرائط:

۱۔ ان مقدمات میں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، ضروری ہے کہ کوئی مدعی، عدالتِ مجاز میں دعوے دائر کرے۔ بہ خلاف دیگر مقدمات حدود و قصاص کے، کہ ان میں مدعی کا دعوے دائر کرنا ضروری نہیں[۴]

۲۔ محسوس کے خلاف کوئی شہادت قبول نہیں کی جاتی مثلاً کسی ایسے شخص کی موت کے بارے

---

[۱] لسان العرب، جلد: ۳، ص: ۲۳۹۔ طبع بیروت ۱۹۵۵ء [۲] بحرالرائق، جلد: ۷، ص: ۵۵

[۳] المجلہ، ص: ۳۷۹، طبع کراچی [۴] ایضاً، ص: ۳۴۲۔

میں گواہی دے جو عدالت میں زندہ سلامت موجود ہے۔ یا کسی عمارت کے منہدم ہونے کی شہادت دے اور حال یہ کہ وہ عمارت موجود ہو[۱]

۳۔ کسی امر متواتر کے خلاف شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ پاکستان میں "لاہور" نام کا کوئی شہر موجود نہیں[۲]

۴۔ محض منفی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ مثلاً کوئی شخص یہ گواہی دے کہ فلاں آدمی نے یہ جرم نہیں کیا ہے، یا فلاں شخص سے قرض نہیں لیا ہے[۳]

۵۔ یہ بات ضروری ہے کہ شہادت دینے والے کا مقصد جلب منفعت (نفع کمانا) یا دفع مضرت (اپنے اوپر سے کوئی مصیبت دور کرنا) نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اصل کی شہادت فرع کے لیے اور اس کے برعکس، یا اجیر کی شہادت مستاجر کے لیے اور اس کے برعکس مقبول نہیں ہے[۴]

۶۔ ضروری ہے کہ گواہی دینے والے، اور جس کے بارے میں گواہی دی جارہی ہے۔ ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی دشمنی نہ ہو[۵]

۷۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی شخص مدعی ہو، اور وہی گواہ بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وصی یتیم کا، اور مؤکل وکیل کا گواہ نہیں بن سکتا[۶]

۸۔ کسی شخص کو اپنے ہی کسی عمل پر گواہی دینے کا اختیار نہیں۔ اسی لیے وکیلوں اور ایجنٹوں کی گواہی بایں طور پر قبول نہیں کی جاتی کہ: میں نے فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ وکالۃً اتنی قیمت میں فروخت کی[۷]

۹۔ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے[۸]

۱۰۔ حدود و قصاص کے مقدمات میں اسی شہادت سے جرم ثابت ہو سکتا ہے جو شہادت، قطعی اور حتمی ہو، اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو، کسی بھی قسم کے شک اور شبہ کے پیدا ہونے سے شہادت رد کر دی جاتی ہے[۹]

---

[۱] ایضاً [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] ایضاً [۶] ایضاً [۷] ایضاً [۸] ایضاً ص: ۲۴۴ [۹] المغنی، جلد ۱۰ ص: ۴۳

۱۱۔ زنا کے علاوہ، دیگر مقدمات میں دو عادل گواہوں کی عینی شہادت ضروری ہے[1]

۱۲۔ اموال کے مقدمات، از قسم قرض، غصب، بیع، وقف، اجارہ، ہبہ، صلح، مساقاۃ، مضاربت، شرکت، اور وصیت میں ایک مرد اور دو عورتوں یا ایک عادل اور ثقہ مرد کی شہادت با لحلف (عند المطالبہ) بھی قبول کی جاسکتی ہے[2]

۱۳۔ اگر کسی عذر شرعی کے بغیر، وقت گزر جانے کے بعد حدود کے مقدمات میں گواہ، گواہی دیں، تو ان کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ سوائے حد قذف کے، کیونکہ قذف کے مقدمات میں مدت گزر جانے کے بعد بھی گواہی قبول کی جاتی ہے[3]

۱۴۔ مدعی کے ذمے گواہ پیش کرنا، اور مدعا علیہ کے ذمے حلف اٹھانا ہے[4]

شہادت میں اختلاف پیدا ہونا:

اگر دو گواہ، آلۂ قتل، یا مقامِ قتل، یا وقتِ قتل، یا مقامِ جرح میں اختلاف کریں، تو شہادت باطل ہو جائے گی۔

مثلاً: ایک گواہ نے کہا کہ قاتل نے مقتول کو چھری سے ذبح کیا ہے۔ دوسرے گواہ نے کہا: تیر مار کر قتل کیا ہے۔

مقامِ قتل میں اختلاف ہو جائے مثلاً: ایک گواہ نے اپنی گواہی میں یہ کہا کہ فلاں قاتل نے فلاں مقتول کو لاہور میں قتل کیا ہے۔ اور دوسرے گواہ نے کہا کہ گوجرانوالہ میں قتل کیا ہے۔

یا

وقتِ قتل میں اختلاف ہو جائے۔ مثلاً: ایک گواہ نے کہا کہ: فلاں شخص نے فلاں شخص کو صبح دس بجے قتل کیا ہے، اور دوسرے گواہ نے کہا کہ تین بجے شام قتل کیا ہے۔

یا

ایک گواہ نے کہا کہ: قاتل نے مقتول پر فائر کیا تھا، اور گولی اس کے سینے میں لگی ہے، دوسرے

---

[1] ایضاً [2] المغنی، جلد: ۱۰، ص: ۱۴۳ [3] ہدایہ۔ جلد: ۲، ص: ۵۰۰، [4] شرح مجلہ۔ ص: ۲۱۴۔

[5] المبسوط، جلد: ۲۶، ص: ۱۰۴

گواہ نے کہا کہ: گولی اس کے سر پر لگی تھی اور یہ مر گیا۔

ان تمام صورتوں میں شہادت باطل ہو جائے گی۔

اگر دو گواہ اس بات پر تو متفق ہوں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے۔ لیکن جب ان سے پوچھا جائے کہ قاتل نے مقتول کو کس آلہ سے قتل کیا ہے؟ تو وہ دونوں گواہ جواب میں یہ کہہ دیں کہ: ہم نہیں جانتے کہ کس آلہ سے قتل کیا ہے۔" تو ایسی صورت میں قصاص تو ساقط ہو جائے گا، مگر استحساناً قاتل پر دیت عائد کی جائے گی۔[1]

اگر اصولی اور بنیادی طور پر واقعۂ قتل ثابت ہو رہا ہو، مگر شہادتوں میں جزوی اختلاف ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مثلاً: ایک گواہ نے اپنی گواہی میں صاف طور پر، اور حتمی طریقہ سے کہا کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے۔ دوسرے گواہ نے کہا۔ قاتل نے میرے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کر دیا، یا اس نے کہا کہ: فلاں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے لیکن عمداً اور خطاء کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی، تو اس اختلاف کے باوجود یہ شہادتیں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ قتل تو ان شہادتوں سے بہرحال ثابت ہو رہا ہے۔[2]

قتل کے مقدمہ میں اگر گواہ ایک دوسرے کو مجرم قرار دینے لگیں تو مقتول کے ولی کا فیصلہ حتمی شمار کیا جائے گا۔

مثلاً: دو آدمیوں (اکبر اور اسلم) نے گواہی دی کہ خالد، اور ماجد نے مل کر جاوید کو قتل کیا ہے، اور خالد اور ماجد نے مل کر گواہی دی کہ ہم نے نہیں بلکہ اکبر اور اسلم نے قتل کیا ہے۔ تو مقتول کا سرپرست جن گواہوں کی تصدیق کرے گا، اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ مثلاً اگر مقتول کے سرپرست نے اکبر اور اسلم کی تصدیق کر دی تو مقتول جاوید کے قصاص میں خالد اور ماجد کو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر سرپرست نے خالد اور ماجد کی تصدیق کر دی تو پھر دونوں گواہیاں باطل ہو جائیں گی، اول الذکر تو اس لیے کہ ولی نے اس کی تکذیب کر دی، اور ثانی الذکر اس لیے کہ اب بنائے مخاصمت پیدا ہو گئی۔[3]

---

[1] ایضاً، ص: ۱۰۵ [2] کشاف القناع، جلد: ۶، ص: ۴۳۱۔ [3] المغنی، جلد: ۱۰، ص: ۴۴

اگر قتل کے مقدمہ میں اولیائے مقتول کے بیانات مختلف ہو جائیں۔ اور ایک ولی دوسرے ولی کو جھٹلانے لگے، اور دوسرا ولی کسی اجنبی کو قتل کا ملزم ٹھہرائے تو مقدمہ مشتبہ ہو جائے گا اور اجنبی سے دیت وصول کر کے، اولیائے مقتول کے درمیان حسبِ حصص شرعی تقسیم کردی جائے گی[1]

مثلاً ایک شخص قتل ہو گیا، اس کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے نے گواہی دی کہ چھوٹے بیٹے نے باپ کو قتل کیا ہے، اور چھوٹے بیٹے نے گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ کسی اجنبی شخص نے ان کے باپ کو عمداً قتل کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں دونوں فریقوں کے پیش کئے ہوئے ثبوت کو تسلیم کر کے اجنبی سے دیت وصول کی جائے گی۔ اور اس دیت کو دونوں بیٹوں کے درمیان، برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس صورت میں قصاص نہیں لیا جائے گا، قتلِ عمد کی گواہی کے باوجود، کیونکہ اولیائے مقتول کے بیانات میں اختلاف کی وجہ سے شہادت مشتبہ ہو گئی[2]

اگر اولیائے مقتول ایک دوسرے کو قاتل ٹھہرائیں تو جو مقتول کے ساتھ رشتے میں قریب تر ہو گا اس کا قول قابلِ ترجیح ہو گا۔ مثلاً مقتول کا ایک بیٹا ہے، اور ایک بھائی ہے۔ مقتول کے بیٹے نے گواہ پیش کئے کہ میرے چچا نے میرے باپ (اور اپنے بھائی) کو عمداً قتل کیا ہے اور مقتول کے بھائی نے گواہ پیش کیے کہ میرے بھتیجے (یعنی مقتول کے بیٹے) نے میرے بھائی کو عمداً قتل کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں مقتول کے بیٹے کی شہادت کو ترجیح دی جائے گی۔ اور مقتول کے بھائی سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ بیٹا یقیناً اپنے باپ کا وارث ہے[3]

اگر گواہوں کے بیانات میں اختلافِ فاحش ہو جائے لیکن قتل یقینی ہو تو نصف دیت وصول کی جائے گی۔

مثلاً دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ، فلاں شخص نے فلاں شخص کا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا، اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اسے کسی درندے نے زخمی کیا

---

[1] معین الحکام، ص: ۸۴ [2] ایضاً

[3] ایضاً

یا کہا: اس نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو زخمی کیا تھا، یا کہا: یہ پھسل کر گر پڑا تھا، اس سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، اور موت واقع ہو گئی"، تو ایسی صورت میں ملزم سے نصف دیت وصول کی جائے گی۔ اور قصاص نہیں لیا جائے گا[1]

اگر مقتول کے تین وارث ہوں، اور تینوں ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگائیں تو کسی پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ قتلِ عمد کی صورت میں ایک دوسرے پر دیت لازم ہوگی[2]

اگر مقتول کے بیٹے ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگائیں، اور مقتول کا بھائی ان میں سے کسی ایک کی تصدیق کرے تو اس کی تصدیق قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ گواہوں کی گواہی، اور دوسرے ثبوتوں اور قرائن کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا[3]

اگر مقتول کے دو لڑکوں نے ایک دوسرے پر باپ کے قتل کا الزام لگایا، اور مقتول کے بھائی نے اپنے دونوں بھتیجوں پر اپنے بھائی کے قتل کا الزام لگایا، تو اس صورت میں مقتول کے بھائی کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اور قتل عمد کی صورت میں مقتول کے دونوں بیٹے قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔

اور اگر قتلِ خطاء رہے تو دونوں بھائیوں کی مددگار برادری پر دیت لازم ہوگی، اور مقتول کا بھائی مقتول کا وارث قرار پائے گا[4]

اگر ایک گواہ قتلِ خطاء کی گواہی دے، اور دوسرا گواہ قتلِ خطاء کے اقرار کی شہادت دے تو دونوں شہادتیں رد کر دی جائیں گی[5]

اگر مقتول، مرنے سے پہلے جب کہ نزع کے عالم میں ہو، اپنے آپ کو زخمی کرنے والے کا نام بتائے۔ اور اس کے مرنے کے بعد اولیائے مقتول گواہ پیش کریں جو کسی دوسرے شخص کے بارے میں گواہی دیں کہ فلاں نے زخمی کیا ہے، اس کے سبب موت واقع ہوئی ہے۔ تو ان گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی[6]

---

[1] المبسوط۔ جلد: ۲۶، ص: ۱۰۷۔ [2] فتاوی عالمگیری۔ جلد: ۶، ص: ۱۸۔

[3] ایضاً۔ ص: ۱۹۔ [4] ایضاً۔ ص: ۱۸

[5] کتاب الاختیار، ص: ۲۳۲۔ [6] ایضاً۔

اگر قتل کا مدعی مقتول کا بھائی ہو، اور وہ اپنے دعوے میں یہ کہے کہ مقتول کا کوئی دوسرا وارث نہیں۔ (سوائے اس کے) لیکن قاتل کہے کہ مقتول کا ایک بیٹا بھی ہے، تو قاضی پر لازم ہے کہ قصاص کو مؤخر کرے، اور قاتل کے دعوے کی تحقیقات کر کے پھر مقدمہ کا فیصلہ کرے[1]

اگر مدعی نے دو شخصوں پر قتل کا دعویٰ کیا، اور گواہ پیش کئے۔ لیکن بعض گواہوں نے ایک شخص پر، اور بعض نے دوسرے شخص پر قتل کی شہادت دی تو سب کی شہادت باطل ہو جائے گی[2]

قتل کی گواہی سے رجوع کرنا:

اگر دو گواہ قتلِ عمد کی شہادت دیں، اور ان کی شہادت کی بنیاد پر مبینہ قاتل سے قصاص لے لیا جائے، اس کے بعد وہ اپنی شہادت سے رجوع کر لیں، تو گواہوں کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان سے دیت وصول کی جائے گی[3]

اگر گواہ قتلِ خطاء کی شہادت دیں، اور مبینہ قاتل کے سزا پانے کے بعد اپنی گواہی سے پھر جائیں، تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ یعنی ان سے دیت وصول کی جائے گی (قصاص نہیں لیا جائے گا)۔

اگر مدعی، مدعا علیہ پر اپنے ولی کے کسی حصۂ جسم کو خطاءً نقصان پہنچانے، اور اس کے باعث ولی کی موت واقع ہونے کا دعوےٰ کرے، اور شہادت پیش کرے، لیکن وہ شہادتیں ناقص ہوں، اور مدعیٰ علیہ کو دیت ادا کرنی پڑے، اس کے بعد دونوں گواہ، اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان پر دیت کی واپسی لازم ہو گی۔

مثلاً مدعیؑ، یہ دعوےٰ کرے کہ مدعیٰ علیہ نے خطاءً میرے ولی کا ہاتھ کاٹ دیا، جس سے وہ ہلاک ہو گیا، اس کے بعد اس نے جن دو گواہوں کو پیش کیا، اُنہوں نے یہ تو گواہی

---

[1] ایضاً۔ ص: ۲۳۶-۲۳۷۔ [2] ایضاً۔ ص: ۲۴۵

[3] ہدایہ۔ جلد: ۳، ص:

دی کہ: خطاءً مدعیٰ علیہ نے مدعی کے ولی کا ہاتھ کاٹ دیا" لیکن یہ شہادت نہ دی کہ اس کے ہاتھ کاٹنے کی وجہ سے مدعی کے ولی کی موت واقع ہوگئی۔ پھر مدعی نے دوسرے دو گواہ پیش کئے جنہوں نے یہ شہادت دی کہ ولی کی موت ہاتھ کٹ جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ لیکن یہ شہادت نہ دی کہ مدعیٰ علیہ نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا۔ اس پر قاضی نے مدعیٰ علیہ کی مددگار برادری پر ولی (متوفیٰ) کی دیت لازم کردی، دیت کی ادائیگی کے بعد ان گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا۔ جنہوں نے ہاتھ کٹنے کی شہادت دی تھی، تو ان سے مدعیٰ علیہ پوری دیت وصول کرنے کا مجاز ہوگا۔

پھر اگر ولی کی موت کے گواہ بھی اپنی گواہی سے رجوع کرلیں تو ہاتھ کٹنے کی گواہی دینے والے، موت کے گواہوں سے یہ مطالبہ کرنے کے حق دار ہوں گے کہ جو دیت، گواہی سے رجوع کرنے کے بعد ہم نے مدعیٰ علیہ کو ادا کی تھی، وہ تم ہمیں واپس کردو، اس لیے کہ تم نے بھی خطاءً موت کی جو شہادت دی تھی۔ اس سے رجوع کرلیا ہے۔

یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ:

ایک شخص، کسی پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے میرے ہاتھ کی انگلیاں خطاءً اس طرح کاٹ دیں کہ میرا پورا ہاتھ شل ہوگیا، اور اس نے دو گواہ پیش کئے، جنہوں نے انگلیوں کے کٹنے کی تو شہادت دی، لیکن اپنی شہادت اور بیان میں یہ نہیں کہا کہ انگلیوں کے کٹ جانے کی وجہ سے مدعی کا ہاتھ شل ہوگیا ہے۔ پھر مدعی نے مزید دو گواہ پیش کئے جنہوں نے یہ تو شہادت دی کہ: مدعی کا ہاتھ شل ہوگیا" لیکن اپنے بیان میں یہ نہیں کہا کہ: اس لیے شل ہوا ہے کہ مدعیٰ علیہ نے مدعی کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دی تھیں"۔ ان شہادتوں کی بنیاد پر قاضی نے مدعیٰ علیہ کے عاقلہ (مددگار برادری) پر دیت عائد کردی، اور عاقلہ نے اس دیت کو ادا کردیا، اس کے بعد انگلیاں کٹنے کے گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا، تو ان سے ہاتھ کی پوری ارش (تاوان) وصول کی جائے گی۔ لیکن اگر بعد میں "شل ہونے کے گواہ" بھی اپنی گواہی سے رجوع کرلیں تو ہاتھ کی پوری ارش ان سے وصول کی جائے گی۔ البتہ انگلیوں کی ارش، قطع

کے گواہوں کے ہی ذمہ رہے گی[1]

قصاص کے لیے شرائط

ثبوتِ جرم کیسے ہوگا۔؟

کسی شخص پر جرمِ قتل ثابت کرنے کے لیے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ قتل کرنے والا خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے۔

یا

۲۔ دو ایسے آدمی (جن میں گواہ بننے کی صلاحیت، اور شرائط موجود ہیں) گواہی دیں کہ: فلاں شخص نے فلاں آدمی کو قتل کیا ہے۔

یا

۳۔ مقتول کے ورثاء، قتل کے وقت موجود ہوں (اور وہ گواہی دیں) کہ ہمارے سامنے ہمارا آدمی قتل ہوا ہے تو ان تینوں صورتوں میں مجرم پر، جرم ثابت ہو جائے گا۔ اور مجرم پر حد جاری کرنا درست ہوگا[2]

شہادتِ قتل

اگر ایک شخص پر دو شخصوں نے عمداً قتل کی گواہی دی تو وہ قید کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ گواہوں کا حال دریافت کیا جائے۔

اور اگر ایک شخص عادل نے گواہی دے دی تو بھی چند روز قید میں رکھا جائے گا۔ پھر اگر دوسرا گواہ لایا تو ثابت ہوگا ورنہ رہا کیا جائے گا۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ جلد: ۳، ص: ۵۵۵۔ [2] فتاویٰ حمادیہ

اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اس کے دو بیٹے ہیں جن میں سے ایک حاضر ہے ایک غائب ہے پھر حاضر نے اس کے مقتول ہونے کے گواہ قائم کئے تو قبول ہوں گے اور اقدام قصاص نہ ہو گا لیکن قاتل قید رکھا جائے گا۔ جب تک غائب بیٹا آئے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو دوبارہ گواہ پیش کرنے کے لیے کہا جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک تکلیف نہیں دی جائے گی[1]

اور اگر قتل بخطاء ہو یا دونوں کے باپ کا کسی شخص پر قرضہ ہو تو ایسی صورت میں غائب بالاجماع دوبارہ پیش نہ کرے گا۔ اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ قاتل کو قید کیا جائے گا اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جب تک غائب نہ آ جائے تب تک قصاص نہیں لیا جائے گا[2]

اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اس نے ایک شخص کو تلوار سے مارا، اور وہ برابر چارپائی پر پڑا رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص کا حکم ہو گا اور قاضی کو نہ چاہیئے کہ قتل عمد میں نہ خطا میں کہ گواہوں سے یوں پوچھے کہ آیا مقتول اسی زخم سے مرا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر وہ لوگ یوں گواہی دیں کہ وہ اسی زخم سے مرا ہے تو ان کی شہادت باطل نہ ہو گی۔ جائز ہو گی جب کہ گواہ عادل ہوں[3]

اور اگر ان دونوں نے یوں گواہی دی کہ اس نے اس کو تلوار سے مارا یہاں تک کہ مر گیا تو یہ قتل عمد ہو گا۔ اور اگر گواہوں نے کہا کہ خطاءً تلوار سے قتل کیا تو قاتل کی مددگار برادری پر دیت ہو گی۔ اور اگر دونوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ عمداً مارا ہے یا خطاء سے تو گواہی قبول ہو گی اور دیت قاتل کے مال سے دلائی جائے گی۔

اگر ایک گواہ نے ایک شخص پر خطاء سے قتل کرنے کی گواہی دی اور دوسرے نے یوں گواہی دی کہ "قاتل نے ایسا اقرار کیا ہے۔" تو یہ باطل ہے[4]

اسی طرح اگر دونوں نے قتل کی گواہی دی مگر جگہ اور وقت میں اختلاف کیا تو گواہی قبول نہ ہو گی اور اگر مقتول کے بدن میں جس جگہ زخم آیا ہے اس میں اختلاف کیا تو بھی گواہی باطل ہو گی[5]

اگر دونوں گواہوں نے مکان میں اختلاف کیا تو بھی گواہی قبول نہ ہو گی۔ اگر مکان چھوٹی سی کوٹھڑی کی مثل ہو، پھر ایک نے گواہی دی کہ میں نے قاتل کو اس جانب قتل کرتے دیکھا، اور دوسرے

---

[1] فتاوی عالمگیری ص: ۳۱۷ [2] ایضاً [3] ایضاً، ص: ۳۱۸ [4] ایضاً، ص: ۳۱۸۔ [5] ایضاً ص: ۳۱۸۔

نے کہا کہ میں نے دوسری جانب قتل کرتے دیکھا تو گواہی استحساناً قبول ہوگی۔ اگر ایک نے تلوار سے قتل کرنے کی گواہی دی اور دوسرے نے کسی اور ہتھیار سے تو بھی گواہی قبول نہ ہوگی۔

اگر ایک نے کہا کہ مدعا علیہ نے اقرار کیا ہے کہ: میں نے اس کو عمداً تلوار سے قتل کیا ہے۔ اور دوسرے نے کہا کہ: مدعا علیہ نے اقرار کیا ہے کہ میں نے اس کو عمداً چھری سے قتل کیا ہے اور مدعی نے کہا کہ: مدعا علیہ نے یوں ہی اقرار کیا ہے جیسا گواہ بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت میں مدعا علیہ نے نیزہ مار کر ہلاک کیا ہے، تو گواہی جائز ہے اور قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

اور اگر دونوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ اس نے تلوار سے یا لاٹھی سے قتل کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ: قتل کیا ہے لیکن پتہ نہیں کس چیز سے؟ تو ایسی گواہی قبول نہ ہوگی۔

لیکن اگر دونوں نے کہا کہ قتل کیا ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کس چیز سے کیا ہے؟ تو قیاساً ایسی گواہی قبول نہ ہوگی اور استحساناً قبول ہوگی مگر قصاص کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ دیت ہوگی[۱]

اگر دونوں گواہوں نے دو شخصوں پر یوں گواہی دی کہ: ان دونوں نے قتل کیا ہے، ایک نے تلوار سے اور ایک نے لاٹھی سے، مگر گواہ یہ نہیں جانتے کہ کس نے تلوار سے اور کس نے لاٹھی سے تو دونوں کی گواہی باطل ہوگی۔

اسی طرح اگر دونوں نے ایک شخص پر ایک انگلی کاٹنے کی اور دوسرے پر اسی ہاتھ کی دوسری انگلی کاٹنے کی گواہی دی مگر ان کو یہ تمیز نہیں ہے کہ اس انگلی کا کاٹنے والا کون ہے اور دوسری کا کون ہے، تو بھی گواہی ناجائز ہوگی[۲]

اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے عمداً جوڑ سے اس کا ہاتھ کاٹا ہے، اور ایک گواہ نے گواہی دی کہ اس نے عمداً جوڑ سے اس کا پاؤں کاٹا، پھر بالاتفاق گواہی میں بیان کیا کہ مجروح اس زخم سے برابر چارپائی پر پڑا رہا، یہاں تک کہ مر گیا، اور ولی اس سب کا مدعی ہے تو قاتل پر اس کے مال سے نصف دیت لازم ہوگی۔

اسی طرح پاؤں کاٹنے پر دو گواہوں نے گواہی دی، مگر دونوں گواہوں کی عدالت ثابت نہ ہوئی تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر ہاتھ کے دونوں گواہوں اور پاؤں کے دونوں گواہوں میں سے

---

[۱] ایضاً، ص: ۳۱۸ – [۲] ایضاً جلد: ۹، ص: ۳۱۸

ایک ایک گواہ کی عدالت ثابت ہوئی تو قاتل پر کچھ لازم نہ ہوگا، اور اگر دونوں فریق گواہان میں سے سب گواہوں کی عدالت ظاہر ہوگئی تو قاطع پر قصاص ہوگا۔ اور اگر ولی نے یہ درخواست کی کہ وہ ہاتھ پاؤں کا قصاص لے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا[1]

اور اگر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے جوڑ پر سے عمداً اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر عمداً اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر عمداً اس کو قتل کیا تو وارث کو اختیار ہوگا کہ پہلے اس کا ہاتھ کاٹے پھر اس کو قتل کرے۔ اگر قاضی نے حکم دیا کہ صرف قتل کرے، ہاتھ نہ کاٹے تو یہ بہتر ہے۔

اور اگر دونوں جنایتوں میں سے ایک خطاء سے ہے اور دوسری عمداً ہے تو دونوں کے لیے ماخوذ ہوگا۔ پھر اگر ہاتھ کا کاٹنا خطاء سے ہو تو ہاتھ کی دیت اس کی مددگار برادری پر ہوگی اور قصاص میں وہ قتل کیا جائے گا۔ اور اگر دوسری جنایت خطاء سے ہو تو ہاتھ کا اس پر قصاص واجب ہوگا اور جان تلف کرنے کی دیت اس کی مددگار برادری پر ہوگی۔

اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر خطاء سے ایک آدمی کو قتل کرنے کی گواہی دی اور دیت کا حکم دیا گیا۔ پھر جس کے مقتول ہو جانے کی گواہی دی ہے وہ زندہ نظر آیا تو مددگار برادری کو اختیار ہوگا، چاہے ولی سے تاوان لے یا گواہوں سے، پھر گواہ اس کو ولی سے واپس لیں گے

اور اگر عمداً قتل کی گواہی دی ہو اور جس پر گواہی دی ہے وہ قتل کیا گیا۔ پھر جس کے مقتول ہونے کی گواہی دی ہے وہ زندہ موجود ہوا تو وارثوں کو اختیار ہوگا۔ چاہیں تو ولی سے دیت تاوان لیں یا گواہوں سے پھر اگر گواہوں سے تاوان لیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ولی سے واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک جیسے خطاء کی صورت میں ہے۔ ویسے ہی واپس لیں گے۔

اگر خطاء یا عمد کی صورت میں گواہوں نے اس طرح گواہی دی کہ اس قاتل نے ایسا اقرار کیا ہے تو مقتول کے زندہ ہونے کی صورت میں گواہوں پر ضمان نہ ہوگی۔ فقط ولی پر دونوں صورتوں میں ضمان ہوگی[2]

اسی طرح اگر دو گواہوں نے قتل خطاء کی دو گواہوں کی گواہی پر گواہی دی اور قاضی نے مددگار

---

[1] ایضاً، ص: ۳۱۹ [2] ایضاً، ص: ۳۲۰۔

برادری پر دیت کا حکم دے دیا اور باقی مسئلہ بحالہ رہے تو فروع پر ضمان نہ ہوگا لیکن ولی اس دیت کو مددگار برادری پر جس سے لی ہے واپس کرے گا۔

ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میرے مورث کو موضحہ زخم پہنچایا ہے جس سے وہ مرگیا ہے۔ پھر دو گواہوں نے موضحہ زخم کی اور اس سے اچھے ہو جانے کی گواہی دی تو مقبول ہو گی اور موضحہ کے قصاص کا حکم دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک گواہ نے موضحہ زخم کی سرایت کی اور دوسرے نے صحت کی گواہی دی تو بھی موضحہ زخم پر گواہی مقبول ہوگی کیونکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں یعنی کہ اگر مدعی نے صحت کا دعویٰ کیا تو جس نے سرایت کی گواہی دی ہے اس کی گواہی باطل ہوگی[1]

اگر زخم سر بہ نسبت موضحہ کے کم ہو، تو سرایت پائی جانے کے بغیر مددگار برادری اس کے ارش کی متحمل نہ ہوگی۔

پھر اگر ولی نے دعویٰ کیا کہ وہ اس زخم سے مرگیا اور میرے واسطے مددگار برادری پر دیت واجب ہوئی اور دو گواہ لایا جس میں ایک نے ویسی ہی گواہی دی جیسا مدعی دعویٰ کرتا ہے اور دوسرے نے گواہی کہ وہ اس سے اچھا ہوگیا ہے تو زخم سر ثابت ہونے کے واسطے گواہی مقبول ہوگی اور جنایت کنندہ کے مال سے ارش دینے کا حکم دیا جائے گا[2]

اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اس نے دو بیٹے چھوڑے۔ پھر ایک بیٹے نے ایک شخص پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے اور دوسرے نے اس شخص پر اور ایک دوسرے شخص پر گواہ پیش کئے کہ ہمارے باپ کو ان دونوں نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص نہ ہوگا اور پہلے مدعی نے جس پر گواہ قائم کیے ہیں اس سے نصف دیت پائے گا۔

اگر ایک شخص مرگیا اس نے دو بیٹے چھوڑے جن میں سے ایک نے ایک شخص پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے اور دوسرے بیٹے نے کسی دوسرے شخص پر گواہ قائم کئے کہ اس نے اس کے باپ کو خطاءً قتل کیا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر بھی قصاص نہ ہوگا اور قتل عمد کے مدعی کے واسطے جس پر اس نے گواہ قائم کئے ہیں اس مدعا علیہ کے مال سے آدھی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا اور جو شخص قتل خطا کا مدعی ہے۔

[1] ایضاً، ص: ۳۲۰ [2] ایضاً

اس کے واسطے اس کے مدعا علیہ کی مددگار برادری پر آدھی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا۔[۱]

اگر ایک شخص مرگیا اور اس نے دو بیٹے اور ایک موصیٰ لہ (جس کے لیے وصیت کی گئی) چھوڑا پھر ایک بیٹے نے دعویٰ کیا کہ زید نے میرے باپ کو عمداً قتل کیا ہے۔ اور اس پر گواہ قائم کئے اور دوسرے نے اسی زید پر یا دوسرے شخص پر دعویٰ کیا کہ اس نے خطا سے میرے باپ کو قتل کیا ہے، اور اس پر گواہ قائم کئے، پھر اگر موصیٰ لہ نے مدعیِ خطاء کی تصدیق کی تو مدعیِ خطاء اور موصیٰ لہ کے نام دو تہائی دیت کا قاتل کی مددگار پر تین سال میں ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور قتلِ عمد کے مدعی کے نام قاتل کے مال سے تہائی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور موصیٰ لہ نے مدعیِ عمد کی تصدیق کی ہو تو مدعیِ خطاء کے نام قاتل کی مددگار برادری پر تہائی دیت تین سال میں ادا کرنے کا حکم ہوگا، اور نصف کی دو تہائی دیت کا مدعیِ عمد کے نام مالِ قاتل سے ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر موصیٰ لہ نے ان دونوں کی تکذیب کی تو اس کو کچھ نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر دونوں نے تصدیق کی تو بھی یہ ہی حکم ہوگا۔ اور اگر دونوں نے تصدیق کی تو بھی یہ ہی حکم ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ عمداً قتل کیا گیا ہے یا خطاء سے تو اس کا حق باطل نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر اس نے کسی ایک معین کی تصدیق کی تو اس کے نام بھی ڈگری ہوگی۔ اور اگر سوائے موصیٰ لہ کے تیسرا بیٹا ہو تو بھی سب صورتوں میں وہ ہی حکم ہوگا۔ سوائے ایک صورت کے وہ یہ ہے کہ تیسرے بیٹے نے اگر مدعی عمد کے قول کی تصدیق کی تو دونوں کے نام دو تہائی دیت کا حکم ہوگا اور موصیٰ لہ کی صورت میں دونوں کے نام نصف دیت کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر جس صورت میں ایک کے واسطے مددگار برادری پر اور دوسرے کے واسطے قاتل کے مال سے ادا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اگر ایک کا حق وصول ہو جائے اور دوسرے کا ڈوب جائے تو جس کا ڈوب گیا ہے اس کو یہ اختیار نہ ہوگا جس کا حق وصول ہوا ہے اس میں شریک ہو جائے۔[۲]

اگر ایک شخص مرگیا۔ اس کے دو بیٹے ہیں۔ ان میں سے بڑے نے چھوٹے پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور چھوٹے نے ایک اجنبی پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو بڑے کے نام چھوٹے پر نصف دیت کی اور چھوٹے کے نام اجنبی پر

---

[۱] ایضاً ص: ۱/ ۳۲۱۔ [۲] ایضاً

نصف دیت کی ڈگری ہوگی۔

لیکن اگر ایک بیٹے نے دوسرے پر گواہ قائم کئے تو ہر ایک کے واسطے دوسرے پر نصف دیت کی ڈگری ہوگی۔ اور دونوں مسئلوں میں مقتول کی میراث دونوں بیٹوں کو ملے گی۔

اور اگر مقتول باپ کے تین بیٹے ہوں اور ان تینوں نے ایک دوسرے پر قتل کے گواہ قائم کئے تو سب کے گواہ قبول ہوں گے اور بالاجماع کسی پر بھی قصاص واجب نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر قتل عمد ہو تو ہر ایک کے واسطے اس کے مدعا علیہ پر اس کے مال سے تہائی دیت کا حکم ہوگا، اور اگر قتلِ خطا ہو تو اس کی مددگار برادری پر تہائی دیت کا حصہ ہوگا اور میت کی میراث سب پر تین تہائی تقسیم ہوگی[1]

امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک ہر ایک کے واسطے اس کے مدعا علیہ پر نصف دیت کا حکم ہوگا۔ اور میت کی میراث صاحبینؒ کے قول پر بھی ان سب میں تین تہائی تقسیم ہوگی۔

اور اگر ایک بیٹے نے دو پر گواہ کئے کہ ان دونوں نے باپ کو قتل کیا ہے عمداً یا خطاءً تو صاحبین کے نزدیک اس فریق کی گواہیاں ساقط ہو جائیں گی۔ اور ان سب میں وراثت تین تہائی رہ جائے گی[2]

اور اگر یہاں دو بیٹے ہوں اور ہر ایک نے دوسرے پر گواہ قائم کئے اور بھائی نے کسی ایک کی تصدیق کی تو اس پر التفات نہ کیا جائے گا۔

اور اگر ایک بیٹے نے دوسرے پر قاتل ہونے کے گواہ قائم کرنے کے بعد بھائی نے گواہ دیئے کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے تو امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک بھائی کے گواہ قبول ہوں گے اور میراث اسی کو ملے گی۔ اور اگر قتل عمد ہو تو دونوں بیٹے قتل کئے جائیں گے لیکن اگر قتل خطا ہو تو ان کی مددگار برادری پر دیت ہوگی۔

امام اعظم کے قول کے مطابق بھائی کے گواہ قبول ہوں گے اور میراث دونوں بیٹوں میں مشترک ہوگی اور ہر ایک کے واسطے دوسرے پر نصف دیت واجب ہوگی۔

---

[1] ایضاً ص: ۳۲۲۔ [2] ایضاً

اگر مقتول نے تین بیٹے چھوڑے ہیں جن میں سے دو بیٹوں نے تیسرے پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا ہے اور تیسرے نے کسی اجنبی پر گواہ قائم کئے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں بیٹوں کے گواہ قبول ہوں گے اور بیٹے پر قصاص کا حکم ہوگا۔ یہ قتل عمد کی حالت میں ہے۔ اور اگر قتل خطاء ہو اس کی مددگار برادری پر دیت کا حکم ہوگا اور تیسرے بیٹے کو میراث میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ اور تمام میراث دونوں بیٹوں میں جو مدعی تھے تقسیم ہوگی۔ امام اعظم کے نزدیک دونوں بیٹوں کے گواہوں کو تیسرے بیٹے کے گواہوں پر ترجیح نہ ہوگی اور دونوں کے واسطے تیسرے پر دو تہائی دیت کا حکم ہوگا پھر اگر قتل عمد ہو تو اس کے مال سے اور اگر قتل خطا ہو تو اس کی مددگار برادری سے وصول کی جائے گی اور تیسرے کے واسطے اجنبی پر تہائی دیت کا حکم ہوگا اور میراث ان تینوں میں تین تہائی ہوگی۔

اگر ایک شخص قتل کیا گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے پس بڑے بیٹے نے درمیانے پر گواہ قائم کئے کہ اس نے باپ کو قتل کیا۔ اور درمیانے نے چھوٹے پر گواہ قائم کئے اور چھوٹے نے ایک اجنبی پر گواہ قائم کئے تو امام اعظم کے نزدیک ہر ایک مدعی کے واسطے مدعا علیہ پر دیت کا حکم ہوگا اور میراث ان سب میں تین تہائی ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک بڑے بیٹے کے واسطے درمیانے پر نصف دیت کا حکم ہوگا اور چھوٹے کے واسطے اجنبی پر کچھ بھی حکم نہ ہوگا۔ اور میراث بڑے اور درمیانے کے درمیان نصف نصف ہوگی۔ جب کہ چھوٹا محروم ہو جائے گا[1]

---

[1] ایضاً، ص: ۳۲۳۔

ثبوتِ جرمِ قتل

جرمِ قتل ثابت ہونے کے تین طریقے اور تین ذرائع ہیں:

اول: اقرار۔

دوسرے: شہادت۔

تیسرے: قسامت۔

اقرار: کوئی شخص اقرار کرے بایں طور کہ: میں نے فلاں شخص کو بالارادہ قتل کیا ہے۔

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اقرار کرنے والے کا اقرار ایک مرتبہ کرنا کافی ہے۔ دو بار یا اس سے زیادہ اقرار کی ضرورت نہیں۔ ایک مرتبہ کے اقرار سے جرم ثابت ہو جائے گا۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مجرم کا ایک مرتبہ اقرارِ جرم کافی نہیں۔ اگر وہ دو مرتبہ جرم کا اقرار کرے تو ثبوتِ جرم کا حکم لگائیں گے۔ اور وہ عقوبت (سزا) کے لیے کافی سمجھا جائے گا۔

اقرار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ عاقل ہو، بالغ ہو، با اختیار ہو (یعنی مجنون نہ ہو، نابالغ نہ ہو، مجبور و مُکرَہ نہ ہو) بعض فقہاء آزاد ہونے کی قید بھی لگاتے ہیں، بعض کی رائے ہے کہ غلام اگر اقرار کرے تو اس کو بھی سزا دی جائے گی۔

شہادت: دو مرد گواہی دیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو تلوار (ہتھیار) یا کسی مہلک آلہ سے قتل کیا ہے۔ یا اتنا شدید زخمی کیا ہے کہ ان زخموں کے باعث وہ مر گیا۔ تو ان دو مردوں کی گواہی سے جرم ثابت ہو جائے گا۔ اور مجرم کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ: شہادت سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ ایسی ہے جیسے معائنہ سے کوئی چیز ثابت ہو۔ گواہی بھی خود دیکھنے کی طرح ہے۔

قتلِ خطاء میں مردوں کی گواہی کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی قبول کی جاتی ہے۔

قسامت: اسلام سے قبل دورِ جاہلی میں قسامت کا طریقہ رائج تھا۔ اسلام نے اس طریقہ کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کو جرم قتل کے ثبوت کے لیے باقی رکھا۔ قرآنِ حکیم اور سنّتِ نبوی سے اس

کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اس کی تفصیل کا علم ہوتا ہے
قرآن، اور سنّت سے ثابت شدہ حکم کی روشنی میں فقہاء نے اس کی تفصیلات منضبط کی ہیں۔
یہ جرم قتل کو ثابت کرنے کا تیسرا طریقہ وذریعہ ہے۔

(ماخوذ از: المبسوط۔ج: ۲۶، المدونۃ الکبریٰ۔ج: ۱۶، الجرائم فی الفقہ الاسلامی ص: ۲۰۱، ۲۰۵)

گیارھواں باب:

آلۂ قتل ـــــ اعتبارِ حالتِ قتل

مقدمۂ قتل میں "آلۂ قتل" بنیادی حیثیت کا حامل ہے، قتل کس چیز سے کیا گیا؟ اسی پر جرم کا مدار ہے، اور اسی سے سزا کا تعین ہوگا۔

قرآن کریم نے آلۂ قتل کی نہ کوئی خاص تعریف کی ہے، اور نہ نشان دہی کی ہے۔ احادیث میں تلوار کو، اور حدید (لوہے) کو بطور آلۂ قتل ذکر کیا گیا ہے۔ کہا گیا: "لا قود الا بالسیف۔" قصاص نہیں ہے مگر تلوار کے ذریعے، نیز حدیث میں یہ بھی الفاظ مذکور ہیں: "لا قود الا بالحدید" یعنی قصاص نہیں ہے مگر لوہے سے، ایک روایت میں ہے: "لا قود الا بالسلاح" قصاص نہیں ہے مگر ہتھیار کے ذریعے۔

گویا احادیث سے تین چیزوں کا آلۂ قتل ہونا ثابت ہوا۔ ا۔ تلوار، ۲۔ لوہے کی ایسی چیز جو مہلک ہو۔ ۳۔ ہر مہلک ہتھیار۔

فقہاء کہتے ہیں کہ قصاص لینے کے لیے سب سے مؤثر آلہ ہے، تلوار، قصاص لینے میں تلوار، اور مہلک ہتھیار کی تخصیص سے واضح ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کا مقصد جرم کرنے والے کو ایذا پہنچانا نہیں ہے بلکہ جرم کی سزا میں قتل کر کے دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ (کہ انہیں یہ معلوم ہو کہ اسلام کی نظر میں ایک مسلمان کی جان کتنی عزیز و محترم ہے، اور اس کو بلا کسی حق کے ضائع کرنے کی سزا کتنی شدید ہے)۔

نیز تلوار سے قتل کرنے میں قتل یقینی ہوتا ہے۔ ایک لمحہ میں گردن کٹی اور روح کا تعلق جسم سے جدا ہو گیا۔ کسی دوسری چیز سے قتل کرنے میں، قتل اتنا یقینی اور آسان نہیں ہوتا[1]

فقہاء نے آلۂ قتل کی جو تعریفیں کی ہیں، اور جن جن چیزوں کو بطور آلۂ قتل ذکر کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

[1] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، ص: ۲۷۰، ۲۷۱

آلۂ قتل۔ تعریفات:

آلۂ قتل سے مراد ایسا ہتھیار ہے جو اجزائے بدن کو پھاڑ ڈالے، چنانچہ آلاتِ جنگ، بھاری وزنی چیز، بھاری لکڑی، شیشہ، پتھر، یا بانس کا پھرٹا، یا تیر وغیرہ ہو۔ یہ سب چیزیں آلۂ قتل میں شامل ہیں۔ آگ کو بھی آلۂ قتل میں شامل کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی انسان کی جلد (کھال) کو پھاڑ دیتی ہے۔ اور ذبح کا عمل انجام دیتی ہے۔ چنانچہ آگ کو اگر محلِ ذبح پر رکھا جائے، اور آگ سے رگیں کٹ جائیں، اور خون بہ جائے تو وہ ذبیحہ حلال ہو گا۔

لوہے سے بنی ہوئی ہر چیز، خواہ وہ تیز دھار رکھتی ہو جیسے تلوار، خنجر، چھری، یا تیز دھار نہ رکھتی ہو جیسے ترازو کے آہنی بانٹ، کلہاڑی کا لوہا، گنڈاسا وغیرہ۔ بھی آلۂ قتل میں شامل ہیں۔

جو چیز لوہے کی مانند ہو، اور اجزائے بدن کو پھاڑ ڈالنے کی صلاحیت رکھتی ہو، وہ بھی آلۂ قتل میں شامل ہے۔ مثلاً: پیتل، تانبا، سونا، چاندی، سیسہ وغیرہ، ان چیزوں سے قتل خواہ اجزائے جسم کو پھاڑ دینے سے ہو یا کچل دینے سے، بندوق (رائفل، مشین گن، اس قسم کے دیگر ہتھیار) وغیرہ کی گولی بھی اسی زمرے میں آئے گی۔

جو چیز لوہے کی جنس سے نہیں مگر عمل میں لوہے کے ساتھ یکسانیت رکھتی ہے، تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا۔

کوئی بھی ایسی چیز استعمال میں لا کر انسانی جان کو ختم کرنا جسے انسانی بدن برداشت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، آلۂ قتل میں شامل ہے[۱]

ہر ہتھیار، اور ہتھیار کے قائم مقام جو چیز اجزائے جسم کو پھاڑ دے۔ جیسے دھاردار لکڑی، پتھر، بانس کی کھپاچ، اور آگ وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں آلۂ قتل میں شامل ہیں[۲]

تلوار، خنجر، یا ایسی چیز جو دھاردار آلہ کے قائم مقام ہو، جیسے دھاردار لکڑی، یا بانس کا پھرٹا، یا سنگِ مرمر کا باریک دھاردار کنارہ (ٹکڑا) ہو، یہ سب آلۂ قتل میں شامل ہیں۔ گویا ہر مہلک اور دھاردار ہتھیار جس سے مضروب کا قتل ممکن ہو، آلۂ قتل شمار کیا جائے گا[۳]

---

[۱] غایۃ الاوطار، جلد ۴، ص: ۲۱۳ [۲] فتاویٰ عالمگیری جلد: ۹، ص: ۲۹۴ [۳] ہدایہ، جلد ۴، ص: ۴۸۴

جو ہتھیار لوہے کی جنس سے ہو مثلاً پیتل، سونا، چاندی، اور سیسہ، اس کا حکم بھی وہی ہے جو لوہے کا ہے بشرطیکہ اس میں لوہے کی سی تیزی ہو۔ اور ان آلات کے ذریعے جو قتل واقع ہوگا وہ بالاتفاق قتلِ عمد ہے اور اگر تیزی نہ رکھتا ہو تو پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس آلہ سے قتل کیا جانے والا قتل، قتلِ شبہِ عمد کہلائے گا۔[۱]

فقہاء نے بھاری لکڑی کو بھی آلۂ قتل میں شمار کیا ہے۔[۲]

تشریح:

فقہاء نے جن اشیاء کو آلۂ قتل تسلیم کیا ہے، اگر کسی شخص نے کسی کو قصد اور ارادہ کے ساتھ اِن اشیاء یعنی آلہائے قتل میں سے کسی آلہ کے ذریعے قتل کیا تو وہ قتلِ عمد کہلائے گا۔

جس چیز سے عام طور پر انسان نہ ہلاک ہوتا ہے، اور نہ وہ انسان کو ہلاک کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے، تو اگر ایسی چیز کے ذریعے کسی کو قتل کیا گیا تو وہ قتلِ عمد نہیں کہلائے گا۔ اور نہ اس میں قصاص واجب ہوگا۔

حالانکہ انسان کے جسم میں بعض ایسے نازک حصے ہوتے ہیں کہ ان پر اگر کسی معمولی چیز سے ضرب لگائی جائے تو انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن اس قسم کے ذرائع سے قتل کیا جانا، "قتلِ عمد" نہیں کہلاتا۔ وہ "قتلِ شبہِ عمد" کہلائے گا۔

مثلاً کسی کو چھڑی مار کر ہلاک کیا، کوڑے مار کر ہلاک کیا، گھونسہ مار کر ہلاک۔ یہ سب "قتلِ شبہِ عمد" ہے۔ اس کی تفصیل "باب نمبر: ۴" میں بیان کی گئی ہے۔!

تیر اور نیزہ کو بھی آلۂ قتل میں شمار کیا گیا ہے۔

---

[۱] المحیط البرہانی۔ (مخطوطہ) باب القصاص) [۲] ہدایہ۔ جلد: ۴، ص: ۵۶۰۔

قاتل کو قصاص میں کیسے قتل کیا جائے؟

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"قاتل کے ساتھ قصاص میں وہی صورت اختیار کی جائے گی جو اس قاتل نے کی تھی، مثلاً اگر ذبح کر کے قاتل نے مقتول کو ہلاک کیا تھا، تو قاتل کو بھی ذبح کر کے ہلاک کیا جائے گا، اور اگر پیٹ میں خنجر یا چاقو گھونپ کر ہلاک کیا تھا، تو قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا۔"

امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ:

قاتل نے قتل کی جو صورت اختیار کی تھی، وہی صورت قصاص میں بھی ملحوظ رہنی چاہیئے۔ بشرطیکہ وہ صورت فعلِ مشروع ہو، جو صورت غیر مشروع ہوگی، اسے اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً کسی بدبخت اور شقی القلب نے کسی کی آنکھیں نکال کر اُسے ہلاک کیا، مقعد میں نیزہ (یا دھاردار چیز) مار کر ہلاک کیا، تو یہ صورتیں شریعت میں ممنوع ہیں، قصاص لیتے وقت انہیں اختیار نہیں کیا جائیگا۔"

قاتل نے مقتول کو جس طریقہ سے قتل کیا تھا، قصاص میں قاتل نے مقتول کو بھی اسی طریقہ سے ہلاک کرنے کی کوشش کی، اور قاتل ہلاک نہ ہوا تو پھر امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: قاتل کو گردن کاٹ کر ہلاک کیا جائے گا[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ:

"قاتل نے مقتول کو کسی بھی صورت سے قتل کیا ہو، جب قصاص لیا جائے گا تو قاتل کو تلوار سے ہلاک کیا جائے گا۔

ابوحنیفہ کے نزدیک قاتل کو تلوار، یا ایسے آلہ سے ہلاک کرنا ضروری ہے جو کسی کو قتل اور ہلاک کرنے ہی کے لیے بنایا گیا ہو۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے: قصاص، صرف تلوار

---

[1] ہدایہ، جلد: ۴، ص: ۵۶۳۔

ہی سے ہے"۔ نیز یہ بھی ارشاد ہے: قصاص، صرف لوہے سے ہے"۔ مقصد یہ ہے کہ قصاص صرف ایسے آلہ اور ہتھیار سے لیا جائے گا جو انسان کو ہلاک کرنے کے لیے بنایا گیا ہو، اور جس سے فوری ہلاکت یقینی ہو[1]۔

اعتبارِ حالتِ قتل

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: کسی شخص نے ایک مسلمان پر تیر (گولی) چلایا، اس کے بعد عیاذاً باللہ وہ شخص جس پر تیر چلایا گیا تھا، مرتد ہو گیا، اور اس کے بعد اس کے تیر لگا، تو ایسی صورت میں تیر چلانے والے پر دیت لازم ہو گی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

صاحبین کہتے ہیں کہ: تیر چلانے والے پر کسی قسم کا کوئی تاوان لازم نہ ہو گا۔ کیونکہ اس شخص کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس کی ذات کا تقوم، یعنی مالیت کا درجہ ساقط ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ چیز تیر چلانے والے کو اس کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرہ سے بری کر دینے والی ہو گی۔ جیسے کوئی شخص زخمی ہونے کے بعد، موت سے پہلے، تیر مارنے والے، یا زخمی کرنے والے کو معاف کر دے تو مجرم بری ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح یہاں بھی تیر چلانے والا بری ہو جانا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ دیت تیر چلانے والے کے فعل (یعنی تیر چلانے) پر لازم ہوئی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی فعل نہیں ہے جس کی طرف ضمان کے وجوب کی نسبت کی جا سکے، اس لیے کہ تیر چلانے والے کی طرف سے اس کے بعد (تیر چلانے کے بعد) اور کوئی فعل صادر نہیں ہوا۔ اس بنا پر چلانے کے وقت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہ شخص جس کے تیر مارا گیا، اس وقت اپنے مسلمان ہونے کی وجہ سے متقوم تھا، یعنی مالیت کا درجہ رکھتا تھا (اس کی ذات شریعت کی نظر میں قابل ضمان تھی)۔ یہی وجہ ہے کہ شکار کے حلال ہونے کے معاملہ میں تیر چلانے کی حالت معتبر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شکار حرام نہیں ہوتا

---

[1] ہدایہ، جلد ۴، ص: ۵۶۳

ہے جس پر تیر چلانے والا، تیر چلانے کے بعد مرتد ہو جائے، اور اس کے مرتد ہونے کے بعد شکار ذبح کیا جائے یا قبضہ میں آجائے۔

مسئلہ زیرِ بحث میں مقتضیٰ تو یہ تھا کہ قصاص لازم ہو عمد کی وجہ سے، لیکن شبہ پیش آجانے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا، البتہ دیت لازم ہو گئی۔ (کیونکہ اس بارے میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر قصاص میں شبہ واقع ہو جائے تو قصاص دیت کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے)۔

اگر ایک شخص نے کسی ایسے شخص پر تیر چلایا جو مرتد تھا، لیکن قبل اس کے کہ اس کو تیر لگے وہ اسلام لے آیا، اور اس کے بعد اس تیر سے وہ ہلاک ہو گیا تو سب کے نزدیک تیر چلانے والے پر کسی قسم کا کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔

اگر کسی شخص کے بارے میں رجم کا فیصلہ کیا گیا، اور ایسی حالت میں جب کہ اس کے سنگسار کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، کسی نے اس پر تیر چلایا، اور پھر تیر چلانے کے بعد، زنا کے گواہوں میں سے کسی ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کر لیا، اور اس رجوع کے بعد اُس شخص کے تیر لگا اور اس سے وہ ہلاک ہو گیا، تو اس صورت میں تیر مارنے والے پر کسی قسم کا کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ حالت قابلِ اعتبار ہے جس میں تیر چلایا گیا تھا، اور اس وقت حالت یہ تھی کہ رجم کی سزا ہونے کے سبب اس کا خون بہانا جائز تھا۔

اگر کسی مجوسی (یا مشرک) نے کسی شکار پر تیر چلایا، اور پھر یہ شخص مسلمان ہو گیا، اس کے بعد اس جانور پر تیر لگا، اور اس کو ذبح کیا گیا، تو یہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ (اور یہ شکار حلال نہ ہوگا) بخلاف اس صورت کے، کہ ایک مسلمان نے کسی شکار پر تیر چلایا، اور تیر چلا کر عیاذاً باللہ وہ مشرک ہو گیا، اس کے بعد اس شکار کو ذبح کیا گیا، تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا، اور اس کو کھایا جائے گا۔[1]

---

[1] ہدایہ۔ جلد ۴، ص:

کن لوگوں کو دعوئے قصاص کا حق حاصل ہے؟

ہر وہ شخص مقتول کا قصاص لینے، یا دعویٰ قصاص کا حقدار ہے جو مقتول کا وارث ہے یعنی مستحقِ میراث ہے۔ اس میں شوہر، اور بیوی بھی داخل ہیں۔

قصاص کا مستحق تو اصل میں مقتول ہی ہوتا ہے، مگر اس کے معدوم ہونے کی وجہ سے اس کا وارث اس کا قائمقام ہو جاتا ہے۔

اگر ایک شخص کو عمداً قتل کیا گیا، اور اس کا ایک ہی وارث ہے، تو اس وارث کے لیے جائز ہے کہ ثبوت مکمّل ہو جانے کی صورت میں قاتل کو قتل کر ڈالے۔

اگر کسی فاتر العقل آدمی کا سرپرست قتل کر دیا گیا تو اس کے باپ کو اختیار ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کرے، یا اس سے مصالحت کرلے، مگر یہ اختیار نہیں ہے کہ اس کو معاف کر دے، اسی طرح اگر معتوہ کا ہاتھ عمداً کاٹا گیا تب بھی یہی حکم ہے۔

باپ کا وصی، ان سب صورتوں میں بمنزلہ باپ کے ہے۔ لیکن اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ قاتل کو قصاص میں قتل کرے۔

قاضی (یعنی منصف اور جج) بمنزلہ باپ کے ہے۔ اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ جب نابالغ کے واسطے قصاص کا پورا استحقاق ہو تو بالغ بھائی کو اس کے حاصل کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

اگر قصاص کا استحقاق، بالغ اور نابالغ کے درمیان مشترک ہو تو بالغ کو اس کے حاصل کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ رح کا مسلک ہے۔ صاحبین اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: اگر قصاص کا استحقاق، بالغ اور نابالغ کے درمیان مشترک ہو جائے تو بالغ کو اس کے حاصل کرنے کا اختیار نہیں ہے، مگر اس صورت میں جب کہ بالغ، نابالغ کا باپ ہو۔ (اس صورت میں حاصل کر سکتا ہے)۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بالغ کے ساتھ حاکم (حکومت) کو قصاص لینے کا حق ہے۔

اگر کسی مقتول کے تمام ورثا نا بالغ ہوں تو اس بارے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

اوّل: تمام ورثاء اگر نابالغ ہوں تو مقتول کے قصاص لینے کا حق صرف حکومت کو ہے۔

دوم: تمام ورثاء یا بعض وارثوں کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے۔ وہ بالغ ہونے کے بعد مقتول کا قصاص لیں۔

اگر ایک شخص قتل ہو گیا، اور اس کا کوئی وارث نہیں تو حکومت کو یا قاضی (جج) کو اس کا قصاص لینے کا اختیار رہے ہے[1]

اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا، مقتول کے ولی نے دو میں سے ایک قاتل کو معاف کر دیا، تو اس کو دوسرے قاتل سے قصاص لینے کا اختیار باقی رہے گا۔ ایک قاتل کو معاف کرنے کے سبب، دوسرے قاتل سے قصاص لینے کا حق باطل نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا، ایک مقتول کے وارث نے قاتل کو معاف کر دیا۔ تو دوسرے مقتول کے سرپرست کو یہ اختیار باقی رہے گا کہ قاتل سے قصاص حاصل کر لے[2]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، جلد: ۹، ص: ۳۰۳۔ [2] ایضاً۔ ص: ۳۰۵۔

بارھواں باب

عام راستوں کے حوادث

گلی کوچوں میں بیت الخلا بنانا:

اگر کسی شخص نے عام راستہ پر کوئی بیت الخلا بنالیا، یا کوئی پرنالہ یا کوئی بُرج صحن (یعنی پانی بہنے کا راستہ)، یا کوئی چبوترہ بنا دیا تو ہر ایسے شخص کو جو اس جانب کا رہنے والا ہے یہ حق ہوگا کہ اس کو توڑ ڈالے۔ کیونکہ ایسے راستہ پر ہر شخص کو خود بھی گذرنے کا حق حاصل ہے اور اپنے جانوروں کو بھی لے جانے اور گذارنے کا حق ہے۔

اور اس شخص کے واسطے بھی گنجائش ہے جس نے ایسی کوئی چیز عام راستے پر نکال لی ہے کہ اس سے منتفع ہو جب تک کہ یہ چیز مسلمانوں کو نقصان اور تکلیف پہنچانے والی نہ ہو۔ اس وجہ سے کہ خود اس شخص کو اس راستہ پر گذرنے کا حق ہے اور اس میں کسی دوسرے کو کوئی نقصان نہیں تو اسی کی ساتھ ان چیزوں کو بھی ملحق کر دیا جائے گا۔ جس سے منتفع ہوتے ہیں کسی اور کو کوئی نقصان نہ ہو کیوں کہ امر مانع تو وہی چیز ہے جو دوسروں کو نقصان میں ڈالنے والی ہو۔

جو گلی کوچے شارع عام پر نہیں نکلتے، ان میں رہنے والوں کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی اجازت کے بغیر پرنالہ نکالیں۔ کیونکہ یہ کوچہ اور راستہ تمام لوگوں کی مشترک ملکیت ہے۔ لہٰذا کسی ایک شخص کو تصرف کا اختیار نہیں ہوگا، دوسروں کی اجازت کے بغیر خواہ اس تصرف سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے۔ مگر یہ کہ اس صورت میں جائز اور درست ہوگا جب کہ کوچہ میں رہنے والے دوسرے لوگ اس کی اجازت دے دیں [1]

---

[1] ہدایہ، جلد ۴، ص: ۶۰۱

عام راستے میں چھجہ یا پرنالہ نکالنا:

اگر کسی شخص نے عام راستے پر کوئی روشندان یا چھجہ، یا دو دیواروں پر راستہ نکال لیا، یا پرنالہ یا ایسی ہی کوئی اور چیز، پھر وہ روشندان یا پرنالہ کسی شخص پر گر پڑا جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو گیا تو دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہو گی کیونکہ یہی شخص اس انسان کی ہلاکت کا سبب پیدا کرنے والا ہے۔

اور اگر ان چیزوں میں سے کسی کی ٹوٹن سے کوئی ٹھوکر کھا کر گر پڑا یا اس کی وجہ سے کوئی جانور ہلاک ہو گیا تو اس شخص کی دیت عاقلہ پر اور جانوروں کا ضمان خود اس تصرف کرنے والے پر لازم ہو گا، اور اگر ٹوٹن سے ٹھوکر کھائی اور وہ شخص کسی دوسرے شخص پر گر پڑا اور اس کے باعث وہ دونوں شخص مر گئے تو ان دونوں کا تاوان اس شخص کے ذمہ لازم ہو گا جس نے گزرگاہ پر پرنالہ وغیرہ نکالا تھا۔

اگر اس طرح کا کوئی پرنالہ گر پڑے تو دیکھا جائے گا کہ پرنالہ کا کونسا حصہ اس شخص کے لگا ہے۔ اگر اس پرنالہ میں سے کسی شخص کے وہ حصہ لگا ہے جو کہ دیوار میں تھا، اور اسی کی ضرب سے اس کی موت واقع ہوئی ہے، تو اس صورت میں پرنالہ بنانے والے پر کوئی تاوان نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس حصے کے لگنے سے مرا ہے جو اس کی اپنی ملک میں تھی، اور یہ کسی دوسرے کی ملک میں زیادتی کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔

اور اگر پرنالہ کا وہ حصہ لگا ہے جو دیوار سے خارج ہے تو پرنالہ بنانے والے پر تاوان ہو گا۔ کیونکہ اب یہ شخص دوسروں کی ملک میں زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ پرنالہ دیوار سے باہر نکالتا، اسے اپنی دیوار کے ساتھ ملا کر نیچے اتار سکتا تھا۔ لیکن اس شخص پر نہ کفارۂ قتل لازم آئے گا، اور نہ یہ میراث سے محروم ہو گا (اگر ہلاک شدہ کا وارث ہے) کیونکہ حقیقت میں یہ شخص قاتل نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ: اس شخص پر پرنالہ کی دونوں جانبیں لگی ہوں۔ اور یہ بات ثابت ہو جائے کہ پرنالہ کے دونوں کنارے لگنے سے ہلاکت واقع ہوئی ہے، تو پرنالہ بنانے والے

پر آدھی دیت واجب ہوگی۔

چوتھی صورت یہ ہے، مطلقاً یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ایک جانب لگی ہے، یا کون سی جانب لگی ہے، یا دونوں جانبیں لگی ہیں، تو ایسی صورت میں بھی پرنالہ بنانے والے پر کل دیت کا آدھا حصہ لازم ہوگا۔[1]

اگر کسی شخص نے کوئی روشندان یا چھجہ وغیرہ عام گذرگاہ کی طرف نکالا، پھر اس نے یہ مکان کسی اور شخص کو فروخت کر دیا، اس کے بعد وہ روشندان، یا پرنالہ کسی شخص پر گر پڑا، اور وہ اس کی ضرب سے ہلاک ہو گیا تو اس کا تاوان فروخت کرنے والے پر ہوگا۔

یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے کہ کسی شخص نے کوئی بڑی لکڑی یا شہتیر وغیرہ راستے میں ڈال دی اس کے بعد وہیں پڑے پڑے اس کو فروخت کر دیا، مشتری نے اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ اس کے بعد کوئی شخص اس سے ٹھوکر کھا کر گرا، اور ہلاک ہو گیا تو اس کا تاوان فروخت کرنے والے پر ہوگا۔[2]

اگر کسی شخص نے عام راستے پر انگارے ڈال دیئے، اور ان کی وجہ سے کسی شخص کی کوئی چیز جل گئی، تو جس نے انگارے ڈالے ہیں وہ اس کا ضامن ہوگا۔

لیکن اگر صورت حال یہ ہوئی کہ ایک شخص نے ایک عام گزرگاہ پر انگارے ڈالے، تیز ہوا چلی، اور اس نے اڑا کر انہیں دوسری جگہ پہنچا دیا، اس کے بعد ان انگاروں نے کسی چیز کو جلا دیا، تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا۔

بعض فقہاء نے کہا کہ:

اگر پہلے سے زیادہ اتنی تیز ہوا چل رہی ہو جس سے اس بات کا امکان ہو کہ یہ آگ کو ایک جگہ منتقل کر دے گی۔ اس کے باوجود ایک شخص نے عام راستے پر انگارے ڈال دیئے، اور پھر ان انگاروں نے کسی چیز کو جلا دیا، تو ایسی صورت میں اس شخص پر ضمان ہوگا۔[3]

---

[1] ہدایہ۔ جلد ۴، ص: ۶۰۱ ۔ [2] ایضاً

[3] ایضاً، ص: ۶۰۱، ۶۰۲

دورانِ تعمیر اگر کوئی چھجہ گر جائے تو تاوان کس پر ہے؟

اگر ایک شخص مکان بنوا رہا تھا، اور راج اس مکان کی دیوار میں، شارعِ عام کی طرف کوئی چھجہ وغیرہ نکال رہے تھے، تو یہ چھجہ مکمل ہونے سے پہلے عام گزرگاہ پر گر پڑا، اور اس کے نیچے دب کر کوئی آدمی ہلاک ہو گیا، تو اس آدمی کا تاوان معماروں پر ہو گا۔ کیونکہ یہ ہلاکت ان کے عمل کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور قتل کا کفارہ بھی ان پر لازم ہو گا۔[1]

تعمیر مکمل ہونے کے بعد چھجہ گرے تو تاوان کس پر ہے؟

مکان کی دیوار سے باہر نکلا ہوا چھجہ یا سائبان وغیرہ، اگر تعمیر مکمل ہونے کے بعد راستے پر گرے اور اس سے کسی آدمی کی ہلاکت واقع ہو جائے تو استحسان کے طور پر اس کا ضمان مالکِ مکان پر ہو گا۔

راستے میں پانی ڈال دیا اور کوئی پھسل کر مر گیا؟

اگر کسی شخص نے عام راستے میں پانی ڈال دیا، اور کوئی شخص اس پانی میں پھسل کر گرا، اور اس کی موت واقع ہو گئی، تو پانی ڈالنے والا ضامن ہو گا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ پانی ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادہ مقدار میں پانی گرایا گیا ہو کہ لوگ عادۃً اس پر سے پھسل جاتے ہوں، لیکن اگر معمولی مقدار میں پانی ڈال دیا، یا چھڑک دیا، اور عادت کے برخلاف کوئی اس پر سے پھسل کر گرا، اور مر گیا، تو ضمان لازم نہ ہو گا۔[2]

نیز فقہاء کہتے ہیں کہ پانی ڈالنے کی صورت میں، اس چیز کو بھی دیکھا جائے گا کہ اس راستے اور گزرگاہ کی نوعیت کیا ہے۔ اگر وہ شارعِ عام ہے، یا گلی ہے، اور دونوں طرف سے کھلی ہے، تب ہلاکت کی صورت میں تاوان لازم ہو گا۔ لیکن اگر گلی آگے سے بند ہے اور پانی ڈالنے والا آدمی اسی گلی میں رہتا ہے، تو پھر کسی کے پھسل کر گرنے کی وجہ سے اس پر تاوان لازم نہیں

---

[1] ایضاً ص: ۶۰۲ [2] ایضاً

ہوگا۔ کیونکہ اب یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو اس گلی (جگہ) میں اس طرح کے تصرفات کا حق حاصل ہے[1]

اگر کسی شخص نے راستے میں پانی پھینک دیا، کوئی آدمی وہاں سے گزرنا چاہتا تھا، اُسے منع کیا گیا مگر وہ نہ مانا اور دانستہ وہاں سے گزرا، اور پھسل کر گرا، اور اس کی موت واقع ہوگئی تو پانی پھینکنے اور چھڑکنے والا ضامن نہ ہوگا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ پورے راستے پر پانی نہ ڈالا ہو، کچھ حصہ ایسا خشک ہو کہ اس پر سے آدمی گزر سکتا ہو، اور یہ آدمی ارادۃً پانی والے راستہ پر سے گزرا ہو۔ لیکن اگر راستے میں اس طرح پانی ڈالا کہ گزرنے کے لیے کوئی خشک راستہ نہ چھوڑا، اور کوئی اس میں پھسل کر گرا، اور گر کر مر گیا تو پانی ڈالنے والا ضامن ہوگا[2]

اگر کسی پانی چھڑکنے والے (ماشکی وغیرہ) نے کسی دوکاندار کے کہنے پر اس کی دوکان کے آگے چھڑکاؤ کیا، اور اس جگہ کوئی شخص پھسلا اور گر کر مر گیا، تو اس کا ضمان حکم دینے والے دوکاندار پر ہوگا[3]

اگر کسی نے عام راستے کے درمیان کسی کو کچھ تعمیر کرنے کے لیے کہا، اور مزدور، معمار نے وہ بیچ راستہ کے بنا دیا، کوئی شخص اس سے ٹکرا کر مر گیا، اور موت واقع ہوگئی تو تاوان بنانے والے پر ہوگا۔ نہ کہ حکم دینے والے پر، کیونکہ ایسی جگہ پر رکاوٹ کی کوئی چیز بنانا فاسد اور باطل ہے۔ عام گزرگاہ پر کوئی چیز تعمیر کرنا خلافِ قانون ہے۔ تو ایسے باطل حکم کی تعمیل کر کے، راستے میں کوئی چیز بنانے والے نے بھی زیادتی کی ہے۔ لہذا تاوان اسی پر ہوگا[4]

راستے میں کنواں کھودنا:

اگر کسی شخص نے عام راستے اور گزرگاہ میں کنواں کھود دیا، یا کوئی بڑا پتھر راستے میں ڈال دیا، کوئی راہ گیر اس کنویں میں گر کر، یا اس پتھر میں اُلجھ کر ہلاک ہوگیا، تو کنواں کھودنے والے، اور راستے میں پتھر ڈالنے والے کی مددگار برادری پر اس کی دیت لازم ہوگی۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً، ص: ۲۰۳۔ [4] ایضاً

اور اگر اس کنویں میں گر کر کوئی جانور ہلاک ہو گیا، یا پتھر سے ٹکرا مر گیا تو جانور کا ضمان خود اس شخص کے مال میں واجب ہو گا جس نے کنواں کھودا، یا راستے میں پتھر ڈالا [1]

اگر راستے میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا دیا، جو اسی راستے میں سے صاف کیا تھا، اس ڈھیر میں اٹک کر کوئی شخص گر گیا، اور ہلاک ہو گیا تو ڈھیر لگانے والے پر ضمان نہ ہو گا۔ کیونکہ اس نے کوئی نئی اور زائد چیز اپنی طرف سے راستے میں نہیں ڈالی ہے۔ اس نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹا دے۔ البتہ اگر اپنے مکان کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے عام راستے میں ڈھیر لگا دیا، یا کسی اور جگہ کا کوڑا کرکٹ لا کر کسی دوسرے عام راستے پر ڈال دیا، اور اس سے اُلجھ کر کوئی گرا، اور مر گیا تو یہ ڈالنے والا ضامن ہو گا [2]

راستے میں گندے پانی کے لیے گڑھا کھودنا:

اگر کسی شخص نے راستے میں گندہ پانی جمع کرنے کے لیے گڑھا کھودا، اس گڑھے میں کوئی شخص گرا، اور گر کر مر گیا۔ تو اگر یہ گڑھا کسی متعلقہ حاکم کے حکم سے کھودا تھا تو پھر اس شخص پر اس کا تاوان لازم نہیں ہو گا۔

لیکن اگر اس کو عام راستے میں گڑھا کھودنے کا کسی حاکم نے حکم نہیں دیا تھا، اور اس نے اپنی مرضی سے ایسا کیا، تو پھر مرنے والے کا تاوان اسی پر ہو گا [3]

اگر کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا، اور کوئی شخص اس میں گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ کسی کی ملک، اور حق میں زیادتی کرنے والا نہیں ہے۔

اگر ایک شخص نے چند مزدور لگا کر ایک کنواں کھدوایا، اور یہ کنواں اس شخص کی مملوکہ زمین میں نہیں ہے، اس کنویں میں کوئی آدمی گر کر ہلاک ہو گیا، تو اس آدمی کا تاوان کھدوانے والے پر ہو گا، مزدور بری الذمہ ہوں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مزدوروں کو یہ علم نہ ہو کہ اس نے جو کنواں کھدوایا ہے، یہ اس کی اپنی ملک میں نہیں ہے۔

اور اگر مزدوروں کو یہ معلوم ہو کہ یہ کنواں ایسی زمین میں کھودا جا رہا ہے جو اس کی ملک نہیں

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۰۳ [2] ایضاً [3] ایضاً

ہے۔ اور اس علم کے باوجود مزدوروں نے کنواں کھدوایا، تو پھر مرنے والے کا ضمان مزدوروں پر ہوگا[1]

پُل وغیرہ بنانا:

اگر کسی شخص نے کوئی پل بنایا، حاکم کی اجازت کے بغیر، پھر کوئی آدمی اپنے ارادہ اور اختیار سے اس پر چلا، اور گر کر مر گیا، تو اس کا ضمان پل بنانے والے پر نہیں ہوگا۔

اسی طرح کسی نے اگر بغیر اجازتِ حکومت، کسی ندی، نالہ یا نہر پر کوئی لکڑی رکھ دی، لوگوں کے گزرنے اور اس کو عبور کرنے کے لیے، پھر کوئی شخص ارادہ کر کے اس پر چلا، اور گر کر ہلاک ہوگیا، تو پل بنانے والے، اور لکڑی رکھنے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا کیونکہ پہلی چیز، یعنی پل بنانا، یا لکڑی رکھنا ایک ایسی زیادتی ہے جو ہلاکت کا سبب پیدا کرتی ہے، اور دوسری چیز، یعنی ارادہ کر کے اس پر سے گزرنا، ایسی زیادتی ہے جو فعل کا ارتکاب ہے۔ لہذا ایسی صورت میں ہلاکت کی نسبت مباشر اور مرتکب فعل ہی کی طرف کرنا زیادہ مناسب، اور بہتر ہوگا، نیز اس لیے بھی کہ ایک بااختیار فاعل کا فعل درمیان میں واقع ہو جانا، سبب پیدا کرنے والے کی طرف فعل کی نسبت کو قطع کرنے والا ہوتا ہے[2]

کسی کے سامان تلے دب جانا:

اگر ایک شخص سامان اٹھا کر لے جا رہا ہے، راستہ میں وہ سامان اس کے اُوپر سے کسی اور شخص کے جسم پر گر گیا، اور سامان گرنے کی وجہ سے وہ آدمی ہلاک ہوگیا، تو سامان اٹھا کر لے جانے والے پر ضمان واجب ہوگا[3]

مسجد میں کسی وجہ سے ہلاک ہو جانا:

اگر کوئی مسجد کسی قبیلہ، قوم، یا اہلِ محلہ کی ہے، اور انہی لوگوں میں سے کسی نے اس مسجد

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۰۴ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً، ص: ۶۰۵

میں کوئی قندیل، فانوس وغیرہ لٹکایا، وہ کسی آدمی پر گر گیا، اور اس کی موت واقع ہو گئی، تو قندیل یا فانوس وغیرہ لٹکانے والے پر ضمان واجب نہیں ہو گا۔

تشریح :

آجکل جیسے مسجدوں میں بجلی کے پنکھے لگے ہوتے ہیں، یا بجلی، گیس کے ہیٹر لگائے جاتے ہیں، اگر کسی شخص کی ہلاکت بجلی کا پنکھا گرنے سے ہو جائے، یا ہیٹر کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہو جائے، تو اس کو بھی مذکورہ بالا مسئلہ پر قیاس کرنا چاہیئے۔

لیکن قندیل یا فانوس وغیرہ لٹکوانے والا شخص اگر اہلِ قبیلہ اور اہلِ محلہ میں سے نہیں تھا، باہر کا کوئی شخص (غیر متعلق) تھا، تو پھر اس پر ضمان لازم ہو گا۔ مگر اس صورت میں اس غیر متعلق شخص پر بھی ضمان نہ ہو گا۔ اگر اس نے اس مسجد کے متعلقہ لوگوں کی اجازت سے ایسا کیا ہے۔ ؎۱

اگر ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، اور یہ شخص اس مسجد کے متعلقہ لوگوں میں سے ہے اس بیٹھے ہوئے شخص کی وجہ سے کوئی دوسرا آدمی ہلاک ہو گیا، مثلاً اس میں الجھ کر گرا، اور مر گیا اگر یہ شخص حالت نماز میں ہے تو مرنے والے کا ضامن نہ ہو گا، نماز خواہ فرض ہو، یا نفل ہو، لیکن اگر حالتِ نماز میں نہیں ہے تو پھر ضامن ہو گا۔

امام سرخسی کہتے ہیں کہ : نماز میں ہو، یا نماز کے انتظار میں۔ دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے کہ ضامن نہیں ہو گا۔

امام مالک اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔ صاحبین رحمہا اللہ کہتے ہیں کہ : مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ضمان نہیں آئے گا۔

اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کر رہا ہو، یا دینی تعلیم و تدریس میں مشغول ہو، یا نماز کے دوران سو گیا ہو، ایسے شخص سے ٹکرا کر یا ٹھوکر لگ کر کوئی گرا، اور مر گیا تو مذکورہ بالا اختلاف پر محمول ہو گا۔

؎۱ ایضاً۔ ص : ۶۰۵

اگر کوئی شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہوا تھا، اور کوئی آدمی اس سے اُلجھ کر گرا، اور مر گیا، تو ایک روایت کی بنا پر معتکف پر ضمان ہوگا۔ اور ایک دوسری روایت کی بنا پر معتکف ضامن نہ ہوگا۔

اگر اہلِ محلہ یا مسجد کے اہلِ قبیلہ کے علاوہ اور کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔ یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور اس سے ٹکرا کر کوئی شخص گرا، اور ہلاک ہو گیا، تو اس شخص کو ضامن نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لیے مسجد نماز پڑھنے ہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور مسجد میں جماعت وغیرہ کا نظم اگرچہ اہلِ محلہ کرتے ہیں، مگر اہلِ محلہ کے علاوہ، دوسرے علاقے کے ہر مسلمان کو بھی مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ لہذا اہلِ محلّہ کے علاوہ اگر کوئی اور شخص نماز پڑھنے کے لیے آیا، اور اس سے اُلجھ کر کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو یہ زیادتی کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا، اور اسی بنا پر اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا[1]

دیوار وغیرہ کے حوادث:

کسی عمارت کی کوئی دیوار، عام راستہ کی طرف جھک گئی، اس عمارت کے مالک سے کہا گیا کہ وہ اس دیوار کو گرا دے، اور لوگوں نے اپنے اس مطالبے پر گواہ بھی قائم کر لیے۔ لیکن اس مطالبے کے باوجود، عمارت کے مالک نے اس دیوار کو نہیں گرایا، یہاں تک کہ وہ دیوار گر گئی، اور اس دیوار کی وجہ سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو گیا، تو جو بھی جان تلف ہوئی، یا مال کا نقصان ہوا، عمارت کا مالک اس کا ضامن ہوگا[2]

اگر کسی شخص نے کوئی دیوار ابتدا ہی سے ٹیڑھی بنائی، اور وہ راستے کی طرف جھکی ہوئی تھی، اور وہ راستے پر گر گئی، اور اس کے گرنے کی وجہ سے جان یا مال کا نقصان ہوا، تو اس دیوار کے بنانے والے پر ضمان لازم ہوگا۔ اور اس صورت میں نہ گواہی قائم کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ اس بات کی قید کہ پہلے اس دیوار کو گرانے کا مطالبہ کیا جائے[3]

صورتِ اوّل میں (جب کہ دیوار بعد میں جھک جائے، اور مالک سے اس کو گرانے کا مطالبہ

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۰۶ ۔ [2] ایضاً۔ ص: ۶۰۶

[3] ایضاً۔ ص: ۶۰۷، ۶۰۸

کیا جائے اور اس مطالبے پر گواہ قائم کئے جائیں) دو مردوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مانی جائے گی۔

عام راستے کی طرف جھکی ہوئی دیوار کو گرانے اور توڑنے کا مطالبہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ مسلمان ہو، غیر مسلمان ہو، آزاد ہو، یا غلام، مرد ہو یا عورت، کیونکہ عام راستے پر سے گزرنا سب کا حق ہے اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں[1]

البتہ اگر دیوار عام راستے کے بجائے، کسی کے گھر کی طرف جھک گئی ہو تو پھر دیوار کو گرانے کا حق اسی شخص، یا انہی لوگوں کو حاصل ہوگا جن کے مکان، عمارت کی طرف یہ دیوار جھکی ہوئی ہے۔

اگر کسی کی عمارت کی دیوار عام راستے کی طرف جھکی ہوئی ہے، یا کسی کے گھر کی طرف جھکی ہوئی ہے۔ اور اس کے گرنے کا اندیشہ ہے۔ عام راستے کی طرف جھکی ہوئی ہونے کی صورت میں راہ گیروں نے اور کسی کے مکان کی طرف جھکی ہوئی ہونے کی صورت میں ہمسایہ مالکِ مکان نے دیوار کے مالک سے مطالبہ کیا کہ اس دیوار کو گرادیں، مگر دیوار کے مالک نے اس مطالبے پر عمل نہ کیا، تو اب راہ گیروں میں سے ہر شخص کو، اور ہمسایہ مالکِ مکان کو یہ اختیار ہے کہ وہ عدالت یا حاکم مجاز کے ہاں اس شخص کے خلاف دعویٰ دائر کردے۔ (اور قانونی ذریعے سے دیوار کو گروا دے تاکہ لوگ اس کے نقصان سے محفوظ رہیں)[2]

اگر کچھ لوگ اس شخص کے مکان میں اسی کے ساتھ قیام پذیر ہیں، جس کے مکان کی دیوار جھکی ہوئی ہے، اور لوگوں کے لیے خطرہ ہے، تو ان لوگوں کو بھی اس دیوار کے گرانے کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا[3]

ایک شخص کے مکان، عمارت کی دیوار جھکی ہوئی تھی، لوگوں نے اس کو گرانے کا مطالبہ کیا، اور اس پر گواہ بھی قائم کر لیے، اس کے بعد اس شخص نے یہ مکان فروخت کر دیا، اور جس نے مکان خریدا، اس نے بھی قبضہ کر لیا، اس کے بعد دیوار گر گئی تو مکان فروخت کرنے والا کسی قسم کے نقصان کا ضامن و ذمہ دار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس دیوار کو توڑنے کی جو قدرت اس کو حاصل تھی، مکان پر قبضہ

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۰۷، ۶۰۸۔ [2] ایضاً۔ ص: ۶۰۸۔

[3] ایضاً۔

نہ رہنے کی وجہ سے اب وہ ختم ہو گئی، اور جس شخص نے یہ مکان خریدا ہے۔ اس پر بھی ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے نہ ابھی اس دیوار کو گرانے کا مطالبہ ہوا ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی قائم کی گئی ہے۔ البتہ اگر خریدنے والے سے دیوار گرانے کا مطالبہ کیا گیا، اور اس پر گواہ قائم کر دیئے گئے اس کے باوجود اس نے دیوار کو منہدم نہیں کیا، اور وہ گر گئی تو پھر جو بھی جانی یا مالی نقصان ہوگا، مکان خریدنے والا (یعنی موجودہ مالک و قابض) اس کا ضامن ہوگا[1]

اگر کوئی دیوار پانچ آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، اور اُن پانچ میں سے ایک سے اس کو گرانے کا مطالبہ کیا گیا، اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیئے، پھر اس دیوار نے کسی آدمی کو ہلاک کر دیا، تو یہ ایک حصّہ دار جس سے مطالبہ کیا گیا تھا، دیت کے پانچویں حصّہ کا ذمّہ دار ہوگا۔ اور دیت کا یہ پانچواں حصّہ اس کی مدد گار برادری ادا کرے گی۔ اگر ایک مکان تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان تین شرکاء میں سے ایک شریک نے، دوسرے دو شریکوں کی رضا مندی کے بغیر اس میں کنواں کھود دیا یا اُن کی رضامندی کے بغیر کوئی دیوار بنا دی۔ پھر اس کنویں کی وجہ سے، یا دیوار بنانے کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو کنواں کھودنے والے یا دیوار بنانے والے پر دو تہائی دیت لازم ہوگی۔ اور یہ دیت اس کی مددگار برادری ادا کرے گی[2]

امام محمد، اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ: مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں (یعنی پانچ آدمیوں کے درمیان دیوار مشترک ہو، یا تین آدمیوں کے درمیان مکان مشترک ہو) اس شخص پر جس نے کنواں کھودا، یا دیوار بنائی، آدھی دیت لازم ہوگی[3]

---

[1] ایضاً۔ ص: ۲۰۸ [2] ایضاً۔ ص: ۲۰۹ [3] ایضاً

تیرھواں باب

جنین (اسقاطِ حمل) کے احکام

اگر کسی شخص نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر کوئی چیز ماردی جس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ حالت میں باہر نکل آیا، تو اس میں مجرم پر ایک غرّہ واجب ہوگا، اور غرّہ، دیت کے نصف عشر (بیسویں حصّہ) کو کہتے ہیں۔

امام قدوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد کی دیت کے دسویں حصّہ کا نصف ہو۔ اور یہ مقدارِ غرہ مذکر کی دیت ہے۔ اور مونث کی دیت عورت کی دیت کا دسواں حصّہ ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک، خواہ مرد کی دیت کا نصفِ عشر ہو، یا عورت کی دیت کا عشر ہو، پانچ سو درہم ہے۔

ظاہر قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حمل کو ساقط کرنے میں کوئی چیز بھی واجب نہ ہوتی، اس لئے کہ حمل کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ زندہ تھا (اور طبعی طور پر پیدا ہوتا تو بھی زندہ پیدا ہوتا)۔ لیکن حضور علیہ السلام کے ارشاد کی وجہ سے اس میں غرہ واجب کیا گیا۔ ارشاد ہے: "جنین (حمل) میں غرہ واجب ہے، خواہ وہ غلام ہو یا باندی، جس غلام اور باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہوں"، یہ لفظ بھی روایت کیا گیا کہ حضور ؑ نے فرمایا: "یا پانچ سو درہم ہوں"۔ اس حدیث کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا[1]

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے غرہ کی قیمت کا اندازہ چھ سو درہم لگایا[2]۔

غرہ، مددگار برادری پر لازم ہوتا ہے:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غرہ، مجرم کی مددگار برادری پر واجب ہوتا ہے۔ اس صورت

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۹۸۔ [2] ایضاً۔

ہیں جب کہ اس کی قیمت پانچ سو درہم ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ دیت (غرہ) مجرم کے مال میں واجب ہوگی۔ اس وجہ سے کہ گویا یہ بدن کے ایک جزو کا معاوضہ ہے۔ تو جو معاملہ جسم انسانی کے اعضاء اور اطراف میں ہوتا ہے وہی ساقط شدہ حمل کے بارے میں کیا جائے گا۔

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غرہ کا فیصلہ، مددگار برادری کے ذمہ فرمایا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ حقیقت میں یہ جان کا عوض ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس واقعہ میں جو حمل ساقط کر دینے کا پیش آیا تھا، غرہ کو "دیت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا تھا: اس جنین کی دیت ادا کرو۔" اس پر مجرم کی برادری نے کہا: کیا ہم ایسے بچہ کی دیت ادا کریں جو نہ چیخا نہ چلّایا، نہ اُس نے آہ و بکا کی (یعنی نہ رویا پیٹا) نہ کچھ کھایا پیا" مگر اتنی بات ہے کہ مددگار برادری پانچ سو درہم سے کم مقدار تاوان کی ذمہ دار نہیں ہوتی ہے[1]

غرّہ کتنے عرصے میں واجب الادا ہوتا ہے:

اور حمل ساقط کرنے کے سبب مجرم پر جو غرہ (دیت) واجب ہوتا ہے، اس کی ادائگی ایک سال کے عرصے میں کی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دیتِ نفس کی طرح اس کی دیت کی ادائگی بھی تین برس میں واجب الادا ہوگی۔ کیوں کہ یہ بھی ایک طرح جان کا عوض ہے۔ فقہائے احناف نے اس بنا پر غرہ کی ادائگی کی مدت ایک سال مقرر کی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

غرہ، مددگار برادری پر ایک سال میں واجب الادا ہے۔"

اور حمل میں مذکر و مؤنث برابر ہیں۔ یعنی ساقط شدہ حمل اگر لڑکا ہے تب بھی اور اگر لڑکی ہے تب بھی۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی غرہ واجب ہوگا، جو کہ پانچ سو درہم ہوگا۔ کیوں کہ ابھی جو

---

[1] اس قید سے حاملہ باندی کے حمل کو خارج کرنا مقصود ہے جب کہ اس کی قیمت مثلاً اس سے کم ہو تو وہ مجرم (مارنے والے) کے مال میں واجب ہوگی۔ بعض فقہائے احناف نے اس کی وضاحت کی ہے!

حدیث بیان کی وہ عام ہے، اس میں مذکر و مونث کی کوئی تخصیص و تفریق نہیں ہے[1]

زندہ جنین کی دیت :

اگر کسی نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا، اور اس ضرب کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا، اور بچہ جو باہر نکلا، وہ زندہ تھا، بعد میں مرا تو اس صورت میں مارنے والے (مجرم) پر کامل دیت لازم ہوگی۔ کیوں کہ مارنے والے نے اپنی پہلی ہی مار سے ایک زندہ جان کو تلف اور ضائع کیا ہے۔

اگر بچہ مُرا ہوا باہر آیا مگر وہ عورت بھی مر گئی تو ماں کی ہلاکت پر کامل دیت لازم ہوگی، اور مُردہ بچے پر غرّہ واجب ہوگا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا۔

اور اگر مارنے والے کی ضرب سے عورت ہلاک ہوگئی، مگر جو بچہ ساقط ہوا وہ زندہ تھا مگر بعد میں بچہ بھی مر گیا، تو ایک دیت ماں کی لازم ہوگی۔ اور ایک دیت بچہ کی واجب ہوگی۔ کیوں کہ اس صورت میں یہ شخص دو جانوں کا تلف کرنے والا ہوا ہے۔ لہذا اس پر دو دیتیں لازم ہوں گی۔

اگر ضرب کی وجہ سے حاملہ عورت پہلے مر گئی، اس کے بعد اس کے پیٹ سے بچہ باہر نکلا، اس حال میں کہ بچہ مردہ تھا، تو مارنے والے پر عورت (ماں) کی دیت لازم ہوگی لیکن جنین کے عوض کوئی تاوان لازم نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں جنین کے عوض غرہ واجب ہوگا۔ جس طرح کہ دوسری صورتوں میں غرہ واجب ہوتا ہے۔ کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ کی موت بھی ضرب کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ : ماں کی موت اس جنین کی موت کے دو سببوں میں سے ایک سبب ہے، اور وہ دو سبب ضارب کی ضرب، اور بچہ کا دم گھٹ جانا ہیں۔ کیوں کہ ماں کی وجہ سے بچہ کا دم گھٹ جائے گا، اس لئے کہ بچہ کا تنفس ماں کے تنفس کے تابع ہے۔ تو

---

[1] ایضاً۔ ص : ۵۹۹۔

اس طرح موت کا سبب مشتبہ ہوگیا کہ اس کی موت ضرب کی وجہ سے ہوئی یا ماں کی موت کی وجہ سے۔ لہٰذا یہ تاوان اس شک کے واقع ہو جانے کی وجہ سے واجب نہ ہوگا۔

اور وہ جنین جس کی بدن کی ساخت مثلاً سر، ہاتھ، پاؤں، ظاہر ہوگئی ہو تو وہ تمام احکام میں پورے جنین کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ جنین کے بارے میں جو حدیث ہے، وہ مطلق ہے۔ اس میں ناقص اور مکمل کی کوئی قید نہیں۔ نیز اس لئے بھی وہ بچہ کے حکم میں ہوگا کہ بدن کی ساخت ظاہر ہو جانے کے بعد وہ خون کے لوتھڑے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان وجوہ کے پیش نظر ناتمام جنین بھی نفس انسانی کے حکم میں ہوگا[1]

اگر حمل میں دو بچے تھے اور وہ ضائع ہو گئے۔؟

اگر کسی نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا، اس ضرب سے اس کا حمل ضائع ہوگیا، اور دو بچے پیٹ سے باہر آئے تو مارنے والے پر دو غرّے واجب ہوں گے۔

اگر کسی کی ضرب سے دو بچے ضائع ہوئے اور پیٹ سے باہر آئے، ان میں سے ایک بچہ زندہ تھا، اور ایک مردہ تھا، لیکن کچھ دیر بعد وہ زندہ بچہ بھی مر گیا، تو مارنے والے پر مردہ جنین کا غرہ اور زندہ جنین کی پوری دیت واجب ہوگی[2]

اگر عورت خود اپنا حمل ضائع کرے؟

ایک عورت حاملہ تھی، اس نے خود اپنے پیٹ پر کوئی چیز ماری، (کوئی بوجھ اٹھایا) یا ایسی دوا پی جو حمل کو ساقط کر دے، یا اور کوئی ایسا عمل دیدہ دانستہ کیا جس سے بچہ ساقط و ضائع ہو جاتے اور بچہ ساقط ہوگیا، تو اس عورت کی مددگار برادری غرہ کی ضامن ہوگی۔ بشرطیکہ اس نے یہ عمل اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کیا ہو۔ اور اگر شوہر کی اجازت سے اس نے ایسا کیا ہے تو اس پر کسی قسم کا کوئی تاوان لازم نہ ہوگا۔

اگر حاملہ عورت نے عمداً ایک دوا استعمال کی، مگر اس سے مقصد اسقاط حمل نہ تھا لیکن اس دوا کی وجہ سے حمل ساقط ہوگیا تو اس عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا[3]

---

[1] ہدایہ۔ج: ۴، ص: ۶۰۰۔ [2] فتاویٰ عالمگیری۔ج: ۹، ص: ۲۵۲۔ [3] ایضاً۔ص: ۲۵۴۔

چودھواں باب!

جانوروں کے جرائم

امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی چوپائے پر سوار ہے، اس چوپائے نے اپنے اگلے قدم سے، یا سر کی ٹکر سے کسی چیز کو تلف کر دیا، یا دانتوں سے کاٹ کر ضائع کر دیا، یا جانور بدکا اور اگلے پاؤں سے کوئی چیز تلف کر دی، تو ان سب صورتوں میں سوار ضامن ہوگا۔

اگر دھکے سے کسی چیز کو ضائع کر دیا تو بھی سوار ضامن ہوگا۔

اگر پچھلے پاؤں کی زد سے کوئی چیز تلف کی، یا دم مار کر کسی چیز کو نقصان پہنچایا تو سوار ضامن نہ ہوگا۔[1]

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ:

اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ عام راستوں میں چلنا جائز ہے، مگر وہ مقید ہے سلامتی کی شرط کے ساتھ، تاکہ کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے کہ عام راستہ پر چلنا ایک حیثیت سے اپنے حق میں تصرف ہے، اور ایک اعتبار سے دوسرے کے حق میں تصرف ہے، کیوں کہ یہ راستہ تمام لوگوں کے درمیان مشترک ہے، تو اس صورت کے پیشِ نظر ہم نے یہ قانون مقرر کر دیا کہ گزرنے کی تو اجازت ہے۔ مگر سلامتی کی شرط کے باقی اور موجود رہتے ہوئے۔ تاکہ دونوں جانبوں کی رعایت ملحوظ رکھی جا سکے۔

نیز یہ امر بھی قابلِ وضاحت ہے کہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہونا صرف اسی صورت میں ہے جب کہ ضرر اور نقصان سے بچنا اس کی قدرت میں ہو۔ اور اس جگہ اس شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا جہاں احتیاط اور پرہیز ممکن نہ ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں اپنے حق میں تصرف سے روک دینا، اور اس کا دروازہ بند کرنا لازم آئے گا، حالانکہ شریعت نے ہر ایک کے لئے

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۱۰۔

اپنے حق میں تصرف کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کو قدموں سے روند ڈالنے، اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے پرہیز اور بچاؤ ممکن ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز کسی سواری کو دوڑانے کی ضروریات اور لوازم میں سے نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے سواری کو چلانے اور دوڑانے کی اجازت سلامتی کی قید کے ساتھ مقید کی ہے، لیکن پچھلے پاؤں کی ٹاپ، یا دم سے کسی چیز کو تلف کر دینا ایسی چیز ہے کہ سواری کے چلتے وقت اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اس قسم کے نقصان سے سلامتی کے ساتھ اس حق کو مقید نہیں کیا جائے گا[1]۔

اگر سوار نے سواری کو دوڑاتے ہوئے راستہ میں اچانک (ایک دم) روک لیا، اور اس کے پچھلے پاؤں کی ٹاپ سے کوئی نقصان ہوا تو سوار ضامن ہوگا، کیوں کہ ایک دم ٹھہرانے اور راستہ میں سواری کو روکنے سے احتراز ممکن تھا۔ لہذا یہ سوار ایسا کر کے زیادتی کا مرتکب ہوا، اور اسی بناء پر اُسے ضامن قرار دیا جائے گا[2]۔

اگر سواری نے اگلے پاؤں، یا پچھلے پاؤں سے کنکریاں یا کسی پھل کی گٹھلیاں اڑائیں، یا گرد و غبار اڑایا، یا پاؤں لگ کر کوئی چھوٹا پتھر اچٹا اور اس سے کوئی نقصان ہوگیا تو سوار ضامن نہ ہوگا۔ لیکن اگر سواری کے پاؤں سے لگ کر (ٹھوکر سے) کوئی بڑا پتھر اڑا، اور اس سے کوئی نقصان ہوگیا تو پھر سوار ضامن ہوگا۔ کیوں کہ پہلی صورت ایسی ہے کہ اس میں احتراز ممکن نہیں ہے، اور دوسری صورت میں سوار کے لئے احتراز، اور جو کچھ پیش آیا اس سے احتیاط ممکن ہے۔

اور وہ شخص جو سوار کا ردیف ہے، یعنی سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھا ہے، مذکورہ بالا احکام میں سوار ہی کے درجے میں ہے۔ کیوں کہ ضمان کی وجہ اور علت میں سوار، اور ردیف کا کوئی فرق نہیں ہے[3]۔

تشریح :

صاحب ہدایہ، اور امام محمد رحمہما اللہ نے جو مذکورہ بالا صورتیں بیان کیں، وہ چوپایوں سے متعلق ہیں، اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ اور عہد اول کے فقہاء کے دور

---

[1] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

میں سواری کے طور پر چوپائے یعنی اونٹ، گھوڑا، گدھا، اور خچر وغیرہ ہی استعمال ہوتے تھے، اس لئے انہی کے احکام لکھے، مشینی سواریوں کی مدت، سو سال سے کچھ زیادہ ہے۔ ناچیز راقم کی رائے ہے میں مشینی سواریوں موٹر، بس، رکشا، اور سکوٹر وغیرہ کو چوپایوں پر بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ فقہاء نے جو اصول بیان کئے ہیں۔ ان کی روشنی میں مشینی سواریوں کے (حادثات کے) مسائل معلوم و معین کرنا کوئی دشوار نہیں ہے، علماء کو اس ضمن میں وضاحت کر دینی چاہیئے۔ اور قیاس واجتہاد کو پوری طرح کام میں لانا چاہیئے۔ (مرتب و مترجم)

اگر چوپائے نے راستے میں لید، گوبر، یا پیشاب کر دیا، اور یہ چلتے چلتے کیا ہے، کوئی شخص (یا جانور) اس میں پھسل کر گرا اور ہلاک ہوگیا، تو یہ سوار ضامن نہ ہوگا۔ کیوں کہ گوبر یا پیشاب وغیرہ کرنا، چوپائے کی ضروریات میں سے ہے، اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح اگر سوار نے چوپائے کو راستے میں روکا، اور اس نے وہاں لید، گوبر، یا پیشاب کیا، اور اس میں پھسل کر کوئی ہلاک ہوگیا، تو بھی سوار ضامن نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بعض چوپائے کھڑے ہوئے بغیر پیشاب پاخانہ نہیں کرتے۔

لیکن اگر سوار نے چوپائے کو کسی اور وجہ سے (علاوہ اس کے پیشاب پیخانہ کرنے کے) راستے میں ٹھہرایا، اور اُسے راستہ روک کر درمیان میں کھڑا کر دیا، اس نے وہاں لید، گوبر، یا پیشاب کر دیا، پھر کوئی شخص اس میں پھسل کر گرا، اور ہلاک ہوگیا تو سوار ضامن ہوگا، کیوں کہ یہ ٹھہرانا ضروریات میں سے نہ تھا، اور یوں راستے میں ٹھہرا کر وہ زیادتی کا مرتکب ہوا ہے[1]۔

اگر ایک شخص کسی چوپائے کو پیچھے سے ہنکا رہا ہے، اس چوپائے کے اگلے قدم سے کوئی نقصان ہوگیا، یا پچھلے قدموں سے۔ دونوں صورتوں میں ہنکانے والا ضامن ہوگا۔

اگر ایک شخص آگے سے چوپائے کو کھینچ رہا ہے، اور اس چوپائے کے اگلے قدم سے کوئی نقصان ہوگیا تو کھینچنے والا ضامن ہوگا لیکن پچھلے پاؤں سے جو نقصان ہوگا اس کا ضامن نہ ہوگا۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۱۰، نیز فتاویٰ عالم گیری۔ ج: ۹، ص: ۳۸۱۔

بعض فقہاء کا قول ہے کہ چوپائے کو پیچھے سے ہنکانے والا بھی پچھلے قدم کے نقصان کا ضامن نہیں ہے[1]

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: چوپائے کا سوار، اس کو پیچھے سے ہنکانے والا، اور آگے سے کھینچنے والا، سب برابر ہیں، یعنی نقصان کے ضامن ہوں گے۔

اگر ایک شخص کسی چوپائے پر سوار ہوا، اور اس سوار کے ساتھ سائق (سواری کو آگے سے کھینچنے والا) بھی ہے، اس چوپائے نے کسی شخص کو روند ڈالا، تو اس بارے میں فقہاء احناف کا ایک قول یہ ہے کہ سائق پر کچھ لازم نہیں ہوگا، سوار پر ضمان واجب ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں پر ضمان واجب ہوگا۔

اگر دو سوار آپس میں ٹکرا گئے۔ غلطی سے نہ کہ قصداً، تو ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی دیت لازم ہوگی۔

امام شافعی اور امام زفر رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کی مددگار برادری پر دوسرے کی نصف دیت لازم ہوگی[2]

اگر ایک چوپایہ چل پڑا، یا بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اس کا مالک اس کے ساتھ نہیں ہے لیکن اس چوپائے کو خود اس کے مالک نے روانہ کیا ہے تو جب تک یہ چوپایہ اسی رخ پر چلتا رہے گا جس پر اس کے مالک نے روانہ کیا ہے، دائیں بائیں نہیں گھومے گا، اس وقت تک ہر نقصان کا مالک ذمہ دار ہوگا جو یہ جانور کرے گا۔

اگر وہ چوپایہ دائیں یا بائیں مڑ گیا، اگر اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو رواں کرنے والا ضامن ہوگا، اور اگر اس کے چلنے کا دوسرا راستہ بھی ہو تو رواں کرنے والا ضامن نہ ہوگا[3]۔

اگر چوپائے کو اس کے مالک نے رواں نہیں کیا، خود بخود چل پڑا، یا مالک سے چھوٹ کر بھاگ نکلا، اور اس نے کوئی نقصان کیا تو مالک پر ضمان نہ ہوگا۔

اگر کسی نے مسجد کے دروازہ پر اپنا گھوڑا کھڑا کیا، اس نے کسی آدمی کے لات مار دی

---

[1] ہدایہ ج: ۴، ص: ۶۱۱۔ [2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۱۱۔ [3] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۸۱

(اور اس سے نقصان ہو گیا) تو مالک ضامن ہوگا[1]۔

اگر مسجد کے دروازہ کے باہر سواریوں کے کھڑا کرنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہے، اور کسی نے اپنی سواری (جانور) وہاں کھڑی کی، اور اس نے کسی کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں مالک ضامن نہ ہوگا۔

اگر جانوروں کی منڈی تھی، وہاں کے کسی کے جانور نے کسی کے لات ماردی اور اسے نقصان پہنچایا تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔

اگر کسی سرکاری دفتر کے دروازہ کے سامنے کسی نے اپنی سواری (جانور) کھڑی کی، اور صورت حال یہ ہو کہ آنے والے لوگ اپنے سواری کے جانور وہاں کھڑے کرتے ہوں تو اگر یہ جانور کسی کو کوئی نقصان پہنچائے گا تو مالک پر اس کا کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔

اگر ایک شخص گھوڑے کو لئے جا رہا ہے، کسی دوسرے شخص نے گھوڑے کو چھڑی یا انگلی مار کر بھڑکا دیا، گھوڑے نے کسی کو روند دیا تو ضمان بدکانے والے پر لازم ہوگا[2]۔

اگر ایک شخص نے اپنا جانور گھوڑا، گدھا یا گائے وغیرہ چھوڑ دیا، اور اس کو کسی کے کھیت کی طرف ہانک دیا، اس جانور نے کھیت میں گھس کر اس کا نقصان کر دیا تو مالک اس نقصان کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر اس نے اس جانور کو اُس سمت میں نہیں ہانکا، اور اس نے کوئی کھیت خراب کر دیا تو مالک ضامن نہ ہوگا[3]۔

اگر کسی کا کتا یا بلی اس کے گھر سے نکل کر چلے گئے، اور انہوں نے کوئی نقصان کیا تو مالک پر ضمان واجب نہ ہوگا[4]۔

اگر کسی شخص نے شکاری کتا، شکار کو پکڑنے کے لئے چھوڑا، اس کتے نے کسی آدمی کو پھاڑ کھایا، یا اِس شکاری کتے نے کسی کے مملوک جانور کو پھاڑ کھایا تو مالک ضامن ہوگا۔ اور اگر کوئی شکاری پرندہ اڑایا تاکہ وہ کسی دوسرے پرندے کا شکار کرے، اور اس پرندے نے کسی کے مملوک پرندے کو پھاڑ کھایا تو مالک پر ضمان واجب نہ ہوگا[5]۔

---

[1] ایضاً۔ ص: ۳۸۲۔ [2] ایضاً۔ ص: ۳۸۳۔ [3،4] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۸۵۔
[5] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۱۴۔

اگر ایک شخص اونٹوں کی قطار لئے جا رہا تھا، اُس قطار میں سے ایک اونٹ نکل گیا، اور اس نے کسی شخص کو روند ڈالا جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو گیا تو اونٹوں کا مالک ضامن ہو گا۔[1]
اور اس ہلاک شدہ آدمی کی دیت، اونٹوں کے مالک کی مددگار برادری پر لازم ہو گی۔

اگر کسی شخص کا کتا کٹ کھنا ہے، اور جو بھی آدمی اس کے قریب سے گزرتا ہے، اس کو کاٹ کھاتا ہے، تو اہل محلہ، اور اہلِ شہر کو اختیار ہے کہ اس کتے کو مار دیں (ہلاک کر دیں)۔

اگر ایسے کتے نے کسی کو کاٹ کھایا، اور اس سے وہ آدمی ہلاک ہو گیا، تو اگر اس کتے کے مالک کو پہلے خبردار کیا گیا تھا کہ یہ کتا کٹ کھنا ہے، اس کو باندھ کر رکھو یا ہلاک کر دو، تو اس صورت میں کتے کے مالک پر ضمان واجب ہو گا، ورنہ وہ ضامن نہ ہو گا۔[2]

اگر کسی شخص کا کوئی جانور کسی کے کھیت میں، یا باغ میں گھس آیا، اور اس نے نقصان پہنچایا، کھیت یا باغ کے مالک نے اس کو پکڑ کر بند کر دیا، اور وہ مر گیا تو کھیت، یا باغ کا مالک اس کی قیمت کا ضامن ہو گا۔[3]

---

[1] ہدایہ، ج: ۴، ص: ۶۱۳۔ [2] فتاویٰ عالم گیری۔ ج: ۹، ص ۳۸۵۔

[3] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۸۸۔

پندرھواں باب :

احکامِ مصالحت (صلح وعفو)

اگر مقتول کے ورثار، قاتل کے ساتھ قصاص لینے کے بجائے مال کی کسی مخصوص مقدار پر مصالحت کرلیں تو قاتل کے ذمہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور جتنے مال پر مصالحت کی ہے، وہ قاتل کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔

جس مال پر مصالحت کی جائے اس کا کوئی تعین از روئے شرع نہیں ہے۔ یہ دونوں فریقوں کی رضامندی پر موقوف ہے، وہ مال چاہے کم ہو یا زیادہ ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن عفی لہٗ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداءٌ الیہ باحسان" یعنی جس کسی شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے یعنی قصاص، اور پھر بھلائی کے ساتھ اس کا پیچھا کیا جائے، اور اُس مال کی جس پر مصالحت کی گئی ہے، ادائگی بھی حسن وخوبی کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

نیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس کسی شخص کو قتل کر دیا جائے تو اس کے ورثار کو دو پسندیدہ باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہیں اسے اختیار کرلیں۔ یا تو قاتل کو قصاص میں قتل کرادیں، یا قاتل سے دیت وصول کرلیں۔

حدیثِ مذکورہ میں مقتول کے ورثار کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے مراد مالِ صلح ہے۔ (ورنہ از روئے شریعت، دیت کی رقم معین ہے۔ مالِ صلح کی رقم کا تعین قاتل اور مقتول کے ورثار کی مرضی پر موقوف ہے)۔

فقہی قیاس کی رو سے یہ دلیل ہے کہ قصاص ایک ایسا حق لازم ہے جو ورثار کے واسطے ثابت ہوتا ہے۔ اور معاف کر دینے کی صورت میں اس حق کو ساقط کرنا بھی ممکن ہوتا ہے۔ تو اسی طرح اس کی بھی گنجائش ہوگی کہ اس حقِ قصاص کو کوئی عوض لینے کی صورت سے ساقط

کر دیا جائے۔ کیوں کہ یہ معاوضہ لینا اولیائے مقتول کی طرف سے احسان اور بھلائی پر مشتمل ہے۔ اور قاتل کو زندہ رکھنے کی ایک صورت ہے۔ لہٰذا باہمی رضامندی کے ساتھ یہ معاوضہ دینا، اور قبول کرنا جائز ہوگا۔ اور اس میں قلیل وکثیر مقدار برابر ہے۔ کیونکہ مال مصالحت میں شریعت کی طرف سے کوئی خاص مقدار معین نہیں کی گئی۔ اسی بناء پر یہ چیز قاتل اور مقتول کے ورثاء کی باہمی رضامندی کے حوالہ کی گئی ہے۔ جیسے خلع میں ہوتا ہے کہ زوجین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، جتنے مال پر چاہیں خلع طے کر لیں[1]۔

مالِ مصالحت کی ادائگی کب لازم ہوگی؟

اگر قاتل، اور مقتول کے ورثاء نے مالِ مصالحت طے کرتے وقت یہ تصریح نہیں کی کہ مصالحت کی رقم فوری طور پر مقتول کے ورثاء کو ادا کرنا ہوگی یا میعادی قرض کی طرح کہ کسی معین مدت کے گزر جانے کے بعد ادا کی جائے گی۔ تو ایسی صورت میں مال مصالحت کی ادائگی فوری طور پر واجب ولازم ہوگی۔ کیوں کہ یہ ایسا مال ہے جو ایک عقد کے ذریعے واجب ہوا ہے۔ اور اس قسم کے معاملات میں اصل یہی ہے کہ مال فی الحال ہی واجب ہوتا ہے۔ جیسے مہر، اور کسی چیز کی قیمت کہ مطلق عقد سے نقد اور فی الحال واجب ہوتی ہے، مگر صرف اس صورت میں جب کہ میعاد مقرر کر دی جائے۔ تب میعادی اور موجل بنتی ہے۔ بخلاف دیت کے کہ اس کی ادائگی فوری طور پر لازم نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی عقد اور معاملہ کے ذریعہ لازم نہیں ہوتی بلکہ وہ اصل ہی سے قسط وار قاتل کی جنایت پر بطور جرمانہ لازم ہوتی ہے[2]۔

ایک شخص کو کسی نے عمداً قتل کر دیا، مقتول کے دو وارث ہیں، ان دو وارثوں میں سے ایک نے قاتل سے مثلاً پچاس ہزار درہم پر پورے خون سے مصالحت کر لی، تو قصاص تو ساقط ہو جائے گا مگر دوسرے وارث کو نصف دیت لینے کا حق ہوگا۔ اور جس وارث نے پورے خون پر پچاس ہزار درہم کے ساتھ مصالحت کی ہے، اس کو پچیس ہزار درہم ملیں گے۔ (یہ پچاس ہزار درہم لینے کا حقدار نہ ہوگا[3])۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۷۱۔ [2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۵۷۱۔ [3] فتاویٰ عالم گیری۔ ج: ۹، ص: ۳۲۶۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شریعت نے کامل دیت کی جو مقدار معین کی ہے، اس سے زیادہ پر مصالحت کی رقم مانگنا، یا طے کرنا باطل ہے[1]

اگر مقتول عورت ہے، اور اس کے شوہر نے قصاص معاف کر دیا تو عورت کے باقی ورثاء قصاص کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ قصاص کا حق ختم ہو گیا۔

اگر کسی مقتول کے متعدد ورثاء تھے، ان میں سے ایک نے یا بعض نے اپنے حصے کے بقدر، قاتل سے مال پر صلح کر لی، تو باقی ورثاء کا حقِ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ (یعنی اگر باقی ورثار قصاص کا مطالبہ کریں تو وہ قصاص نہیں لے سکتے)۔ دیت میں ان کا جو حصہ ہوگا وہ ان کو ملے گا۔ اور جس نے وارثوں میں سے اپنا حق معاف کر دیا اس کو دیت میں سے کچھ نہیں ملے گا[2]۔

دو وارثوں میں سے اگر ایک وارث نے اپنا حق قصاص معاف کر دیا تو دوسرے وارث کو تین سال میں مالِ قاتل سے نصف دیت ملے گی۔

اگر مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک نے اپنا حقِ قصاص معاف کر دیا، اور دوسرے وارث کو معلوم ہوا کہ اب قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود اس نے قاتل کو قتل کر دیا تو یہ قتل عمد کا مرتکب سمجھا جائے گا، اور اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور قاتل کے مال میں سے اس کو نصف دیت ملے گی[3]

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو قتل کیا، اور دونوں مقتولین کا وارث ایک ہی آدمی ہے، اس وارث نے ایک مقتول کا قصاص معاف کر دیا تو اب اس کو دوسرے مقتول کے عوض قاتل کو قتل کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ ایک مقتول کا قصاص معاف کرنے سے دوسرے کا قصاص معاف نہیں ہوتا، اگر وارث چاہے تو دوسرے مقتول کے عوض قاتل کو قصاص میں قتل کر سکتا یا کرا سکتا ہے[4]

اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو قتل کیا، اور ان دونوں مقتولوں کے الگ الگ دو وارث ہیں، ان دو وارثوں میں سے ایک وارث نے اپنے مقتول کا خون بہا معاف کر دیا، تو دوسرے

[1،2] فتاویٰ عالمگیری۔ج:۹، ص: ۳۲۶، ۳۲۷۔ [3،4] ایضاً۔ ص: ۳۲۷۔

مقتول کے وارث کو حق ہوگا کہ وہ اپنے مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کرائے (اور اُسے معاف نہ کرے)۔

اگر کسی مقتول کے دو وارث ہیں، ان دو وارثوں میں سے ایک غائب ہے، اور ایک موجود ہے، قاتل نے دعویٰ کیا کہ غائب نے مجھے معاف کر دیا ہے، اور اپنے اس دعوے پر گواہ بھی پیش کر دیئے، تو اس گواہی کی بنیاد پر اس کے دعوے کی توثیق کی جائے گی۔ اگر اس گواہی پر حاکم کی طرف سے معافی کا حکم ہوگیا، اس کے بعد وہ غائب وارث آگیا تو اب قاتل سے دوبارہ گواہ پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر قاتل نے غائب وارث کی طرف سے معافی کا دعویٰ کیا مگر گواہ پیش نہ کر سکا اور اس نے چاہا کہ جو حاضر ہے اس سے قسم لے لی جائے تو اس میں تاخیر کی جائے گی یہاں تک کہ غائب آجائے تو اس سے قسم لے گا، پھر اگر اس نے حاضر ہو کر معاف نہ کرنے پر قسم کھائی تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا[1]۔

اگر قاتل نے کہا کہ غائب وارث کے معاف کرنے کے میرے پاس گواہ موجود ہیں، وہ شہر میں ہیں، تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی کہ وہ تین دن میں گواہ پیش کرے۔ تین دن سے پہلے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

بعض فقہاء نے کہا: گواہ پیش کرنے کے لئے تین دن کی قید لازمی نہیں۔ اگر قاضی مناسب سمجھے تو اس مدت میں اضافہ کر سکتا ہے[2]۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ: اس بارے میں ضابطۂ کلیہ یہ ہے کہ قصاص مقتول کے تمام وارثوں کا حق ہے۔ بلا کسی تفاوت کے، اور اسی طرح دیت بھی سب کا مشترک حق ہے، اگرچہ وہ زوجہ یا شوہر ہو، بخلاف امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے قول کے زوجین کی صورت میں، کہ ان کے نزدیک قصاص میں، بیوی اور شوہر کا حق نہیں ہوتا۔

ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وراثت، خلافت کا نام ہے، یعنی مورث کا خلیفہ اور قائم مقام ہو جانا، اور یہ خلافت، نسب کے ذریعے حاصل ہوتی ہے نہ کہ سبب کے ذریعے،

[1،2] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۲۸۔

کیونکہ رشتۂ سببی (جیسے کہ نکاح کے ذریعے حاصل ہونے والا رشتہ) موت کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔

فقہائے احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو خاوند کی دیت سے وارث بنانے کا حکم دیا۔ کہ ان کے شوہر کی دیت میں سے ان کو بطور وراثت حصّہ دیا جائے گا۔

اور اس دلیل کی بنا پر بھی احناف کے نزدیک یہ حکم ہے کہ قصاص اور دیت ایک ایسا حق ہے کہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص قتل کیا گیا، اور حال یہ ہے کہ اس کے دو بیٹے ہیں، پھر اس کے بعد ایک بیٹا اپنا ایک لڑکا چھوڑ کر مرا، تو قصاص اس صورت میں مقتول کے صلبی بیٹے اور پوتے کے درمیان مشترک ہوگا، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ حق قصاص تمام وارثوں کے لئے ثابت کیا جائے۔

رہا یہ کہنا کہ سببی رشتہ موت کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ حق زوجین کے لئے ثابت نہ ہوگا تو حقیقت یہ ہے کہ رشتۂ زوجیت میراث کے حق میں موت کے بعد بھی حکماً باقی رہتا ہے۔

الغرض جب حق قصاص تمام وارثوں کے لئے ثابت ہوا تو اُن میں سے ہر ایک کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اپنے حق قصاص کو حاصل کر لے یا ساقط کر دے، معاف کر دینے کی صورت سے۔ یا اُس سے کسی مال پر صلح کر لینے کے ذریعے[1]۔

مقتول کے دو وارثوں میں سے ایک معافی کی گواہی دے۔؟

اگر ایک مقتول کے دو سرپرست ہیں، ان دو سرپرستوں (وارثوں) میں سے ایک نے دوسرے کے حق میں گواہی دی کہ اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو یہاں پانچ صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ شریک نے اس کے قول کی تصدیق کی، اور قاتل نے بھی تصدیق کی۔

دوسرے: شریک اور قاتل دونوں نے اس کے قول کی تکذیب کی، اُسے جھٹلایا۔

---

[1] ہدایہ ج ۴، ص: ۵۷۲۔

تیسرے : شریک نے تکذیب کی، اور قاتل نے تصدیق کی۔

چوتھے : شریک نے تصدیق کی، اور قاتل نے تکذیب کی۔

پانچویں : شریک اور قاتل دونوں نے سکوت اختیار کیا۔

ان سب صورتوں میں قصاص معاف ہو جائے گا، اور رہا معاملہ دیت کا، تو اگر پہلی صورت ہے تو مدعی کو نصف دیت ملے گی، اور دوسری صورت ہو تو مدعی کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور ساکت کو نصف دیت ملے گی۔ تیسری صورت میں قاتل پوری دیت دے گا، جو ان دونوں میں مشترک ہوگی۔ اور چوتھی صورت میں قصاص معاف ہوگا، اور از روئے قیاس قاتل پر کوئی دیت واجب نہ ہوگی۔ اور استحسان کی رو سے شریک شاہد کے واسطے قاتل کے مال میں سے نصف دیت لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ نے استحسان کو اختیار کیا ہے۔

اور اگر قاتل اور مشہود علیہ نے شاہد کے قول کی نہ تصدیق کی، اور نہ تکذیب کی بلکہ دونوں خاموش رہے تو اس کا وہی حکم ہے جو دونوں کی تکذیب کرنے کا ہے[1]۔

اگر دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے پر معاف کرنے کی گواہی دی تو ضروری ہے کہ دونوں نے یا تو بیک وقت گواہی دی ہوگی یا آگے پیچھے، اگر دونوں نے ساتھ گواہی دی اور قاتل نے دونوں کی تکذیب کر دی تو دونوں کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر قاتل نے دونوں کی تصدیق کی تو بھی یہی حکم ہے۔

اور اگر آگے پیچھے دونوں کی تصدیق کی تو دونوں کو پوری دیت ملے گی۔ اور اگر اس نے دونوں میں سے ایک کی تصدیق کی، اور دوسرے کی تکذیب کی، تو جس کی تصدیق کی ہے، اس کے واسطے نصف دیت کا ضامن ہوگا۔

اگر دونوں نے آگے پیچھے گواہی دی، پس اگر قاتل نے دونوں کی تکذیب کی تو بعد میں گواہی دینے والے کو نصف دیت ملے گی، اور اول گواہی دینے والے کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ اور اسی طرح اگر اس نے ساتھ ہی دونوں کی تصدیق کی تو اول کو کچھ نہ ملے گا، اور دوسرے کو نصف دیت ملے گی۔

---

[1] فتاویٰ عالم گیری۔ ج : ۹، ص : ۳۲۸۔

اگر آگے اور پیچھے گواہی دینے والے دونوں گواہوں کی تصدیق کی تو اس پر دونوں گواہوں کے لئے پوری دیت واجب ہوگی۔ اور اگر اول کی تصدیق کی، اور بعد میں گواہی دینے والے کی تکذیب کی تو اس پر پوری دیت لازم ہوگی۔ اور اگر اول کی تکذیب کی، اور دوسرے کی تصدیق کی، تو دوسرے کو نصف دیت ملے گی، اور اول کو کچھ نہیں ملے گا۔[1]

خون میں تین آدمیوں کا استحقاق ہو، اور دو آدمی تیسرے کے بارے میں معافی کی گواہی دیں تو کیا حکم ہے:

ایک شخص قتل کیا گیا، اس کا خوں بہا وصول کرنے کے تین آدمی حق دار ہیں، ان تین میں سے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ تیسرے شریک اور حق دار نے قاتل کو معاف کر دیا ہے تو اس میں چار صورتیں ہیں:

۱۔ اول یہ کہ قاتل اور مشہود علیہ دونوں آدمی، ان دونوں گواہوں کی تصدیق کریں۔ اس صورت میں مشہود علیہ کا حصہ باطل ہو جائے گا۔ اور دونوں گواہوں کا حق قصاص سے بدل کر مال میں تبدیل ہو جائے گا۔

۲۔ اگر دونوں نے یعنی قاتل اور مشہود علیہ نے دونو گواہوں کی تکذیب کی تو دونوں گواہوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور مشہود علیہ کا حق قصاص سے مال کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

۳۔ اگر دونوں گواہوں کی فقط مشہود علیہ نے تصدیق کی تو قاتل تہائی دیت دینے کا ذمہ دار ہوگا، اور یہ تہائی دیت مشہود علیہ کا حصہ ہوگی۔ اور دونوں گواہوں کو ادا کی جائے گی۔

۴۔ اگر فقط قاتل نے دونوں گواہوں کی تصدیق کی تو قاتل پوری دیت کا ضامن ہوگا جو ان سب میں مشترک ہوگی۔

اگر مقتول کے وارثوں میں سے دو وارثوں نے بقیہ وارثوں کے بارے میں قتل خطاء کی صورت میں گواہی دی کہ ان بعض وارثوں نے اپنا حصۂ دیت معاف کر دیا ہے تو یہ گواہی جائز ہوگی، بشرطیکہ گواہی دینے والے دونوں وارث دیت میں سے اپنا حصہ وصول نہ کر چکے ہوں۔[2]

---

[1] ایضاً۔ ص: ۳۲۸، ۳۲۹۔ [2] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۳۲۹۔

سولھواں باب

کتاب المعاقل

(مددگار برادری کا بیان)

معاقل، معقلہ کی جمع ہے، معقلہ دیت کو کہتے ہیں، عقل بھی دیت کو کہا جاتا ہے۔ عقل کا لفظ لغت کی رو سے روکنے اور منع کرنے کے مفہوم کو ادا کرتا ہے، دیت بھی کیوں کہ خوں ریزی کو روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے اس لئے اس کو عقل اور معقلہ کہا جاتا ہے[1]۔

عاقلہ کون ہے:

عاقلہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں[2]۔

تشریح: کتاب الدیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اقسام قتل میں سے قتل شبہ عمد، اور قتل خطاء کا حکم یہ ہے کہ اس میں عاقلہ، یعنی مددگار برادری پر دیت لازم ہوتی ہے، کتاب المعاقل میں یہی تفصیل ہے کہ کس کی مددگار برادری کونسی ہے؟

قتل شبہ عمد، اور قتل خطاء کی دیت، اور ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے لازم ہو، نہ کہ قصاص سے مصالحت پر، نہ وہ دیت جو بیٹے کے قتل میں باپ پر بجائے قصاص واجب ہو، قاتل کی مددگار برادری پر لازم ہوتی ہے۔

عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے کے لئے دلیل نبی علیہ السلام کا عمل ہے۔ آپؐ نے حمل بن مالک کے واقعہ میں یہ حکم دیا تھا کہ: مجرم کے اولیاء (سرپرست) مقتول کی دیت

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۲۵۔ [2] فتاویٰ عالم گیری۔ ج: ۹، ص: ۳۴۲۔

ادا کریں[1]۔"

مددگار برادری پر دیت لازم ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کی جان قابلِ احترام ہے، اسے کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ شخص جو بطورِ خطاء قتل کا مرتکب ہوا ہے، معذور ہے کیوں کہ اس نے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی معذور ہے جو شبہِ عمد کے طور پر قتل کا مرتکب ہوا، اس کے آلۂ قتل پر نظر کرتے ہوئے کہ اس نے جو آلہ استعمال کیا ہے، عام حالات میں اس سے آدمی قتل (ہلاک) نہیں ہوتا۔ اس لئے اس امر کی کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ اس کو قتل کی پوری سزا (یعنی قصاص) دی جائے۔ عذر اور خطاء کی وجہ سے وہ پوری سزا کا مستحق نہیں ہے، اس لئے اِس مجرم کے ساتھ اس کی مددگار برادری کو ملا دیا گیا تاکہ مجرم کی سزا میں تخفیف کی صورت پیدا کی جا سکے۔

اور مجرم کے ساتھ اس کی مددگار برادری کو اس لئے ملایا گیا ہے کہ مجرم نے جس جرم کا ارتکاب کیا ہے وہ اپنے مددگاروں کے بل بوتے کی بنا پر ہی کیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بھی اس معاملہ میں قصوروار تصور کئے جائیں گے۔ اگر یہ لوگ مجرم کی حفاظت اور نگرانی میں کوتاہی نہ کرتے تو وہ اتنے بڑے جرم کے ارتکاب پر آمادہ نہ ہوتا[2]

اور اگر عاقلہ (مددگار برادری) اہلِ دیوان میں سے ہو تو ان کے عطیات اور وظائف میں سے دیت تین سال کی مدت میں وصول کی جائے گی۔

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اہلِ دیوان سے مراد وہ لشکر والے ہیں جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عاقلہ، یعنی مددگار برادری قاتل کے قبیلہ اور کنبہ والے ہی

---

[1] حمل بن مالک کے دو بیویاں تھیں، ان میں آپس میں جھگڑا ہو گیا، ایک بیوی نے دوسری بیوی (اپنی سوکن) کے پیٹ پر خیمہ کی لکڑی اٹھا کر ماری، وہ حاملہ تھی، لکڑی کی ضرب سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا، اور وہ خود بھی ہلاک ہو گئی، حضور علیہ السلام کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو حضور نے مجرمہ کے اولیاء کو حکم دیا کہ اٹھو، اور دیت ادا کرو۔۔

[2] ہدایہ۔ج: ۴، ص: ۶۲۵۔۔

شمار ہوں گے اور انہی پر دیت واجب ہوگی[1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں رجسٹر بنوائے تھے، فوج کی ہر کمپنی کا الگ رجسٹر تھا، اور دوسرے دفتر والوں کے الگ رجسٹر تھے، اور انہی رجسٹر والوں کو قاتل کی عاقلہ یعنی مددگار برادری قرار دیا۔

اصل بنیاد یہ ہے کہ دیت کی ادائگی قاتل کے مددگاروں پر ہوتی ہے۔ مددگاری کی مختلف صورتیں ہیں، وہ باہمی امداد اور نصرت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، جماعت کی وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ وہ اس میں شامل ہے، اور اس کا باضابطہ رکن ہے، خاندان اور قبیلہ کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، نسب کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ: اگر کوئی قوم، قبیلہ، جماعت، یا خاندان ایسا ہو کہ ان میں باہمی مدد، پیشہ کے لحاظ سے ہو تو ان کے لئے عاقلہ ان کے ہم پیشہ ہی ہوں گے[2]

تشریح: یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

اول یہ کہ: صحابہ کے دور میں، اور فقہاء کے دَور میں (بھی) بیت المال سسٹم موجود تھا، اہل دیوان ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کو بیت المال سے سالانہ وظیفہ ملتا تھا، اب موجودہ دَور میں یہ سسٹم کلی طور پر ختم ہوگیا۔ اب نہ بیت المال ہے، اور نہ حکومت سے لوگوں کو وظیفہ یا گزارہ الاؤنس ملتا ہے۔ اب تو صرف ایک صورت ممکن ہے، اور وہ بھی ان لوگوں کے درمیان جو سرکاری، نیم سرکاری یا کارخانوں کے ملازم ہیں۔ ملازمین کے سرپرست ادارے ان کو مختلف قسم کے تحفظات مہیّا کرتے ہیں، ان کو مددگار برادری قرار دیا جاسکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب بیت المال سسٹم ختم ہوگیا تو فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ کسی بھی شخص کی عاقلہ، اس کی برادری، خاندان، کنبہ، عزیز واقارب ہوں گے، یا اس کے ہم پیشہ کارکنوں کی کوئی انجمن امداد باہمی کی ہے تو وہ عاقلہ شمار ہوگی۔

بہرکیف لوگوں کا، اور حکومت کا جو موجودہ معاشرتی اور آئینی ڈھانچہ اور نظام ہے

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔

اس کی روشنی میں علماء کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ عاقلہ (مددگار برادری) کس کو شمار کیا جائیگا اور اس کا صحیح تصور کیا ہوگا۔؟ (مرتب و مترجم)

دیت کی ادائگی کا حکم تین سال میں، نبی کریم علیہ السلام کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رض کا عمل بھی یہی تھا[1]

اگر قاتل متعدد ہوں تو دیت کی ادائگی کا کیا طریقہ ہوگا؟

اگر دس آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تو ان میں سے ہر ایک پر دیت کا دسواں حصہ لازم ہوگا۔ اور تین سال میں واجب الاداء ہوگا۔ اور قتل سے مراد، قتل خطاء ہے۔

دیت کی وصولی کی مدت (تین سال) اُس وقت سے شمار کی جاتے گی جس وقت عدالت سے فیصلہ ہو، قتل کے وقت سے تین سال شمار نہیں کیے جائیں گے۔

اور جو شخص اہلِ دیوان میں سے نہ ہو (یعنی کسی محکمہ، اور ادارہ سے وابستہ نہ ہو) تو اس کی مددگار برادری، اس کا خاندان اور قبیلہ ہوگا۔ اور دیت، قبیلہ کے لوگوں پر تقسیم کی جاتے گی جسے وہ تین برس میں ادا کریں گے۔

اگر قاتل کا اپنا خاندان، دیت ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو پھر جو قریب تر خاندان یا قبیلہ ہوگا اس کو بھی دیت کی ادائگی میں شریک کر لیا جاتے گا۔ تا کہ دیت مکمل طور پر، مقررہ وقت میں ادا کی جا سکے[2]

اس مسئلہ میں روایت یہ ہے کہ عصبات کی ترتیب کے لحاظ سے جو سب سے زائد قریب ہے اس کو ملایا جاتے گا۔ سب سے اول بھائی، پھر بھائیوں کی اولاد، اس کے بعد چچا، پھر چچا کی اولاد، رہا یہ امر کہ حقیقی باپ، اور ان کی اولاد۔ تو اس بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ وہ داخل ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ نسبت میں قریب تر ہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ باپ اور ان کی اولاد کو شامل نہیں کیا جاتے گا[3]

اور اسی اصول اور معیار پر اہل دیوان کا حکم ہے، کہ اگر وہ دیت ادا کرنے کی گنجائش نہ

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۴۶۔ [2،3] ایضاً۔ ص: ۶۴۶۔

رکھیں تو اُن سے قریب تر دیوان (دفتر) والوں کو شامل کیا جائے گا، اور اس کا فیصلہ حکومت کرے گی۔

اگر قاتل کی مددگار برادری ایسے لوگوں پر مشتمل ہو جنھیں بیت المال سے وظیفہ ملتا ہو، تو ان کے وظیفوں میں سے دیت کی ادائگی کا فیصلہ تین سال کے اندر کیا جائے گا۔ بایں طور کہ ہر ایک سال میں ایک تہائی دیت ادا کی جائے۔

وظیفوں میں سے دیت کی ادائگی کے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا جائے گا کہ وظیفہ حکومت کی طرف سے سالانہ ملتا ہے، یا ششماہی، اگر سالانہ ملتا ہے تو سال میں تہائی دیت وصول کی جائے گی، اور اگر ششماہی ہے تو ہر چھٹے مہینے دیت کا چھٹا حصّہ وصول کیا جائے گا۔ بہر کیف وظیفہ پانے والوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا جائے گا، اور اگر ہر ماہ انھیں وظیفہ ملتا ہے تو پھر ماہانہ جتنا حصہ بنتا ہے، وہ وضع کیا جائے گا۔

اگر مددگار برادری کے افراد ایسے ہیں کہ انھیں سرکاری خزانے سے وظیفوں کے علاوہ، عطائیں (بخششیں، انعامات) بھی ملتے ہیں، پھر دیت عطاؤں میں سے وصول کی جائے گی نہ کہ وظیفہ سے[۱]

قتلِ خطاء کا مرتکب اپنی مددگار برادری کا ایک فرد شمار ہوگا:

قتلِ خطاء کا مرتکب قاتل بھی دیت کی ادائگی میں اپنی مددگار برادری میں شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا دیت کی ادائگی میں وہ بھی ان میں سے ایک فرد کی طرح ہوگا۔ اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے برادری سے خارج کیا جائے۔ اور دوسروں سے مؤاخذہ ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قتلِ خطاء کے مرتکب قاتل پر دیت میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوگا[۲]

شوہر، اپنی بیوی کا عاقلہ نہیں ہوتا:

شوہر کو اس کی اپنی بیوی کی مددگار برادری میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح بیوی کو

[۱،۲] ایضاً۔ ج: ۴، ص: ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۶۔

بھی اس کے شوہر کی مددگار برادری میں شمار نہیں کیا جائے گا۔[1]

بیٹا، اپنی ماں کا عاقلہ نہیں ہوتا:

بیٹے کو اس کی ماں کی مددگار برادری میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ صرف اس صورت میں وہ اپنی ماں کی مددگار برادری میں شمار کیا جائے گا جب کہ اس کی ماں کا شوہر، یعنی اس کا باپ، اس کی ماں کے باپ کی طرف سے نسبی رشتہ داروں میں سے ہو، ورنہ بصورتِ دگر بیٹا، ماں کی مددگار برادری نہیں کہلائے گا۔[2]

عورتوں اور بچوں پر دیت واجب نہیں:

عورتوں اور بچوں پر (خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) دیت واجب نہیں ہوتی، قطع نظر اس سے کہ انہیں حکومت سے کوئی وظیفہ یا عطیہ ملتا ہے یا نہیں ملتا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ: مددگار برادری کے دیت ادا کرنے والے افراد کے ساتھ کوئی عورت، یا بچہ دیت ادا نہیں کرے گا۔[3]

نیز اس وجہ سے بھی کہ دیت تو صرف ان لوگوں پر واجب کی جاتی ہے جو ایک دوسرے کے اہلِ نصرت ہیں، اور عام طور پر لوگ عورتوں اور بچوں کے ذریعے مدد و حمایت اور نصرت حاصل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر وہ چیز عائد نہیں کی جاتی جو نصرت اور مددگاری کے قائم مقام ہو، یعنی جزیہ۔ (اسلامی ریاست میں غیر مسلم عورتوں اور بچوں پر جزیہ عاید نہیں کیا جاتا)۔[4]

ایک شہر والے دوسرے شہر والے کی مددگار برادری نہ ہوں گے:

ایک شہر والے، دوسرے شہر والے کے لئے مددگار برادری نہ ہوں گے۔ (اور ان کی طرف سے دیت ادا نہیں کریں گے)۔ مراد یہ ہے کہ جب کہ ان میں سے ہر ایک شہر کے واسطے علیحدہ دیوان، یعنی رجسٹر ہو کیوں کہ باہمی مددگاری، دفتر میں اندراج ہونے کی صورت میں

---

[1][2] فتاویٰ عالمگیری۔ ج: ۹، ص: ۲۴۲۔ [3][4] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۸۔

ہوتی ہے۔

اگر باہمی امداد و نصرت بلحاظ سکونت ہو تو قاتل کے شہر والے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت دوسرے شہر والوں کے۔

اور ہر شہر والے اپنے شہر کے مضافات، اور ملحقہ دیہات والوں کی مدد گار برادری ہونگے۔ کیوں کہ مضافات، اور ملحقہ دیہات، شہر کے تابع ہوتے ہیں۔

اگر ایک شخص کا مکان (مثلاً) بصرہ میں ہے، اور اس کا متعلقہ دفتر کوفہ میں ہے، تو اہلِ کوفہ اس کی مدد گار برادری ہوں گے[1]

تشریح: عاقلہ کے بیان میں چند صفحات قبل عرض کر چکا ہوں کہ اب نہ بیت المال کا نظام ہے، اور نہ ہی لوگوں کو حکومت کی طرف سے وظیفہ (گزارہ الاؤنس) ملتا ہے۔

اس صورتِ حال میں یہ تعین کرنا ہوگا کہ مدد گار برادری کسے تصور کیا جائے۔؟

اس لئے کہ وہ اہلِ دیوان ہی سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ نہ کہ اپنے ہم سایوں سے، حاصل یہ کہ اہل دیوان سے مدد چاہنا زیادہ موزون اور مناسب ہے، بہ نسبت اس شہر والوں کے جہاں اس کا مکان ہے۔

اور اگر اہلِ دیوان کے ذریعے دیت کی وصولی ممکن نہ ہو تو پھر اہلِ نسب اور اہلِ قبیلہ کے ذریعے دیت کی وصولی کی جائے گی[2]

اگر گاؤں کا کوئی آدمی کسی شہر میں آیا ہوا ہے، وہاں اس نے قتلِ خطاء کے جرم کا ارتکاب کر لیا، تو اس شہر کے لوگ اس کی مدد گار برادری شمار نہیں کئے جائیں گے۔ خود اس کے اپنے گاؤں والے (یا خاندان والے) اس کی مدد گار برادری تصور کئے جائیں گے۔ اسی طرح کوئی شہر کا آدمی ہو اور وہ کسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا ہو، وہاں اس سے قتلِ خطاء کے جرم کا ارتکاب ہو جائے تو اُس گاؤں کے لوگ اس کی مدد گار برادری نہیں سمجھے جائیں گے[3]

ذمیوں کی مدد گار برادری:

اگر ذمیوں کے لئے کچھ مدد گار برادریاں معروف ہوں، تو ان میں سے اگر کوئی قتلِ خطاء کے

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۸، ۶۴۹۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس کی دیت اس کی مددگار برادری پر لازم ہوگی۔ جیسے مسلمانوں کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ کیوں کہ ذمی بھی اسلامی ریاست میں معاہد اور اہلِ ذمہ ہونے کی بنا پر معاملات میں احکام اسلام کی پابندی کا عہد کر چکے ہیں۔ بالخصوص ان چیزوں کا جن میں ضرر سے بچانے کی صورتیں پائی جاتی ہوں۔ اور باہمی مددگاری کا مفہوم ان میں بھی موجود ہے، لہٰذا عاقلہ پر دیت کے عائد ہونے کے حکم میں وہ مسلمانوں کے تابع ہوں گے۔

اور اگر ان اہل ذمہ کے درمیان کوئی مددگاری برادری معروف نہ ہو تو مقتول کی دیت، قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔ اور عدالت کے فیصلہ کے بعد تین سال کی مدت میں واجب الاداء ہوگی۔

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے عاقلہ نہیں ہوتے:

اگر کسی مسلمان نے قتلِ خطاء کا ارتکاب کیا، اور اس کے بعض کافروں سے تعلقات ہیں، یا کافر اس کے ہمسائے ہیں تو بھی کوئی کافر اس مسلمان کا عاقلہ (مددگار برادری) نہیں بنے گا۔

اسی طرح کوئی مسلمان، کسی کافر کا عاقلہ نہیں بنے گا، کیونکہ مسلمان اور کافر کے درمیان باہمی مدد اور نصرت کا معاملہ نہیں ہوتا۔[1]

کافر ایک دوسرے کے عاقلہ ہوں گے:

کافر قومیں اور قبیلے ایک دوسرے کے واسطے عاقلہ ہوں گے۔ اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں کیوں کہ کفر اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود ایک ہی ملت ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الکفر ملة واحدة" اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں سب برابر ہیں، خواہ کوئی یہودی ہو یا عیسائی ہو۔

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: یہ صورت کہ تمام کافر قومیں ایک دوسرے کے واسطے عاقلہ ہیں، اس وقت ہے جب ان میں آپس میں کھلم کھلا دشمنی اور مخالفت نہ ہو، لیکن اگر ان کے درمیان

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۵۰۔

دشمنی اور مخالفت ظاہر ہو جائے تو پھر ایک دوسرے کے عاقلہ نہ ہوں گے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے یہی قول منقول ہے[1]

اگر قتل خطاء کا مرتکب اہل کوفہ میں سے ہو، اور اس کے واسطے کوفہ ہی میں وظیفہ ہو، یا اس کا دیوان کوفہ میں ہو، اس کے بعد اس کا دیوان کوفہ سے بصرہ منتقل کر دیا گیا، اس کے دیوان کے بصرہ منتقل ہونے کے بعد اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا، تو دیت کا فیصلہ قاتل کے اُس عاقلہ پر کیا جائے گا جو بصرہ میں ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی دیت اس عاقلہ کے ذمہ ڈالی جائے گی جو کوفہ میں ہے[2]

مددگار برادری، دیت کے بیسویں حصہ سے کم میں مددگاری نہیں کرتی ہے، البتہ دیت کے دسویں حصہ یا اس سے زائد کو برداشت کرتی ہے۔ اِس بارے میں اصول اور قانون کلی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاقلہ نہ تو جرم عمد کی دیت کو برداشت کرتی ہے، نہ غلام کے جرم کو، نہ مالِ صلح کو، نہ اُس مال کو جو مجرم کے اقرار کی وجہ سے واجب ہوا ہو، اور نہ اس جرمانہ کو جو موضحہ زخم سے کم کا ہو۔ اور موضحہ کا جرمانہ جان کی دیت کا بیسواں حصہ ہے۔

دوسرے یہ کہ عاقلہ کی طرف سے دیت کو برداشت کرنا، مجرم کو تنگی اور مالی مشکلات سے بچانا ہوتا ہے، اور حال یہ ہے کہ معمولی مقدار کے برداشت کرنے میں کسی قسم کی تنگی اور مشقت نہیں ہے۔ مشقت اور دشواری تو زیادہ مقدار کے برداشت کرنے سے ہوتی ہے[3]

اور جو مقدار دیت کے بیسویں حصہ سے کم ہو، وہ جرم کرنے والے کے مال میں واجب ہوگی۔ مجرم خود ہی اس کو ادا کرے گا[4]

اگر کسی شخص نے قتلِ خطاء کا اقرار کیا، لیکن مقتول کے سرپرستوں نے عدالت میں اس مقدمہ کی پیروی نہ کی یہاں تک کہ چند سال گزر گئے، تو دیت کا فیصلہ جرم کرنے والے کے مال میں کیا جائے گا۔ اور جرم کرنے والے کو یہ دیت، فیصلہ کے وقت سے تین سال کے اندر

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔ ص: ۶۵۰۔ [3،4] ایضاً۔ ص: ۶۵۱۔

ادا کرنی ہوگی[1]

ملاعنہ عورت کی مددگار برادری:

ملاعنہ عورت کے بچہ کی مددگار برادری، اس کی ماں کی برادری ہوگی۔ کیوں کہ اس بچہ کا نسب ماں سے ثابت ہوگا نہ کہ اس کے باپ سے، اگر ماں کی برادری نے بچہ کی دیت ادا کر دی، اور اس کے بعد باپ نے نسب کا دعویٰ کیا تو ماں کی برادری، باپ کی برادری سے دیت کی واپسی کا مطالبہ کرے گی، اور باپ کی برادری کو دیت تین سال کی مدت میں، ماں کی برادری کو واپس لوٹانا ہوگی۔

تشریح: ملاعنہ، اس عورت کو کہتے ہیں جس پر شوہر کی طرف سے زنا کی تہمت لگائی گئی ہو، اس تہمت کی وجہ سے اس پر لعان جاری ہونے کے بعد ان میں تفریق ہو گئی ہو، تو ایسی عورت کے بچہ نے اگر جرم کیا تو اس کی دیت، ماں کی مددگار برادری پر لازم ہوگی۔

---

[1] ایضاً۔ ص: ۶۵۲۔

سترھواں باب

قسامت کا بیان

تشریح : لغت کی رو سے "قسامت" قسم لینے کو کہتے ہیں۔ قتل کے بعد بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ قسامت کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔۔

فقہ کی زبان میں قسامت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی علاقے، محلہ، سڑک، گلی کوچے، یا احاطہ میں کوئی مقتول اس طرح پایا جائے کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا قاتل کون ہے۔؟ اور مقتول کے قتل کے جو لوگ مدعی ہیں، اُن میں سے بھی کسی نے کسی شخص پر قتل کا دعویٰ نہ کیا ہو، اور مقتول کے جسم پر ایسے آثار، اور علامتیں موجود ہوں، جن سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ اِس شخص کو قتل کیا گیا ہے، یہ طبعی موت نہیں مرا، جب ایسی صورتِ پیش آجائے تو اُس مقام کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اس کے بعد بھی اصل قاتل کی نشان دہی نہ ہو سکے تو مقتول کی دیت، اُس جگہ (محلہ علاقہ) کے لوگوں پر تقسیم کر دی جائے گی، وہ سب مل کر دیت ادا کریں، تاکہ مقتول کا خون رائگاں نہ جائے۔ خواہ اُن لوگوں میں سے کوئی بھی قاتل نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ سب لوگ اس حیثیت سے قصور وار ہیں کہ یہ ایک ایسے شخص کی (اپنے علاقے کے) جان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہے، جس کا خون بہانا حرام تھا۔ اس لئے یہ امر مناسب تھا کہ اِن سب پر اجتماعی طور پر تاوان ڈالا جائے۔

قسم کیسے لی جائے گی:

اگر کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس شخص نے اس کو قتل کیا ہے تو ان اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی، جن کو ولی منتخب کرے گا۔ ان میں سے ہر ایک اس طرح قسم کھائے گا: "خدا کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے" امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہاں ایسا کوئی قرینہ ہو جس سے مدعی کا اس دعوے میں سچا ہونا معلوم ہوتا ہو تو اولیاء مقتول سے پچاس قسمیں لی جائیں گی اور ان کے حق میں مدعیٰ علیہ

کے ذمہ دیت کے لازم ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، خواہ دعویٰ قتلِ عمد کا ہو، یا قتلِ خطاء کا، امام مالک نے یہ فرمایا کہ اگر دعویٰ قتلِ عمد کا ہو تو قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا، اور یہ قول امام شافعی کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے[1]

قرینہ، اور علامت سے امام شافعی، اور امام مالکؒ یہ مراد لیتے ہیں کہ ایسا کوئی نشان قتل کی جگہ پر، یا اُس مقام پر جہاں سے مقتول کی لاش ملی ہے، موجود ہو جس سے یہ معلوم اور معین ہو سکے کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے۔ مثلاً اس کا کوئی ہتھیار، آلۂ قتل وغیرہ، یا ایسا ثبوت ملے جس سے معلوم ہو کہ قاتل اور مقتول کے درمیان دشمنی تھی۔ یا کسی عادل آدمی کی گواہی ہو، یا ایک گروہ (جماعت) اگرچہ وہ لوگ عادل اور ثقہ نہ ہوں، گواہی دیں کہ اہل محلہ ہی نے اِس شخص کو قتل کیا ہے[2]

الغرض اگر ظاہر حال سے مدعی کے حق میں کوئی شہادت نہ ہو تو پھر امام شافعی کا مسلک، حنفی مسلک کے مطابق ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مکرّر قسم نہیں لی جائے گی بلکہ وہ قسم ولی ہی کی جانب پھیری جائے گی۔ پھر اگر اہلِ محلہ نے قسم کھالی تو اُن پر کوئی دیت نہ ہوگی

تشریح: حنفی مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اولیائے مقتول، اور مدعیوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مدعیٰ علیہ کو قسم دلائی جائے گی، اور اگر اہلِ محلہ سے پچاس قسموں کی تکمیل نہ ہو سکی تو اُن سے مکرر قسم نہیں لی جائے گی۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ظاہر حال اگر مدعی کے حق میں گواہی دے رہا ہو تو مدعی سے قسم لی جائے گی، اگر مدعی نے ان پچاس قسموں کی تکمیل کر دی تو قتلِ عمد ہو، یا قتلِ خطاء، ہر صورت مدعیٰ علیہ پر دیت لازم ہوگی۔

امام مالک کے مسلک، اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق، قتلِ عمد کے دعوے میں قصاص ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر مدعی قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر مدعیٰ علیہ پر قسم کھانے کی ذمہ داری ہوگی۔ اور اگر وہ لوگ انکار کر دیں گے تو ان پر جرم ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر قسمیں کھا لیں گے تو جرم سے بری ہو جائیں گے۔

اور اگر ظاہر حال مدعی کے سچا ہونے کی گواہی نہ دیتا ہو تو پھر امام شافعی کا مسلک حنفی مسلک

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۷۷۔

[2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۴۔

کے مطابق ہے۔

حنفی مسلک، اور شافعی مسلک کے درمیان اِن دو باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسلک میں مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی، اور شافعی مسلک میں لی جائے گی، شافعی مسلک کی رُو سے مدعیٰ علیہ قسمیں کھانے کے بعد جرم سے بری ہو جائیں گے۔ اور حنفی مسلک کی رو سے قسمیں کھا لینے کے باوجود ان پر دیت واجب رہے گی۔ (تلخیص از شرح ہدایہ)۔

مقتول کے ولی سے قسم کی ابتدار کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل، نبی کریم علیہ السلام کا اولیائے مقتول کے لئے یہ فرمان ہے: پھر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ اِس مقتول کو ان لوگوں (یہودیوں) نے قتل کیا ہے" جب کہ خیبر کے باغات میں سے کسی ایک باغ کے گڑھے میں سے عبداللہ بن سمعل کی لاش ملی تھی، محیصۃ بن مسعود، جو خیبر میں عبداللہ بن سمعل کے ساتھی تھے، اِس قتل کے دعوے کے لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ خیبر میں اس وقت یہودی ہی تھے، اس لئے ظاہر یہی تھا کہ انہوں نے ہی قتل کیا ہے، تو اس پر آں حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے پچاس آدمی قسمیں کھائیں)۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ قسم اس شخص پر عائد ہوتی ہے جس کے واسطے ظاہر حال شاہد ہو، چنانچہ صاحبِ بد یعنی قابض پر قسم اسی وجہ سے عائد ہوتی ہے کہ ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہوتا ہے الغرض قرینہ اور ظاہر حال جب کہ ولیِ مقتول کے حق میں شاہد ہو تو اُسی سے قسم کو شروع کیا جائے گا۔، اور مدعی پر قسم کا لوٹانا، یہ امام شافعی کا ایک ضابطہ ہے، جیسا کہ امام شافعی کا یہ اصول ہے کہ اگر مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کرے تو پھر قسم کو مدعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کہ وہ قسم کھا کر مدعیٰ علیہ سے اپنے دعوے کے مطابق حق وصول کرے[1]۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ قسم کھانا ایک ایسی دلالت (ثبوت وحجت) ہے کہ اس میں ایک نوع کا شبہ ہے، اور قصاص، شبہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، لیکن مال کا وجوب شبہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر، دونوں صورتوں میں۔ خواہ دعویٰ قتلِ عمد کا ہو۔ یا قتل خطاء کا، دیت واجب ہو گی۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۵۔

حنفی مسلک کی دلیل آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: ثبوت اور گواہی کا قائم کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔ اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔ اور امام شافعی نے عبداللہ بن سمعل کا جو واقعہ اپنی دلیل کے طور پر بیان کیا، اس میں بھی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے قسموں کی ابتداء کی، اور انہی پر دیت کو مقرر کیا، کیوں کہ مقتول انہی کے درمیان، اور انہی کے علاقے سے پایا گیا تھا، نیز مدعی پر قسم اس لئے بھی عائد نہیں کی جائے گی کہ شریعت کی نظر میں قسم تو رفعیہ کے لئے حجت ہے، یعنی اس کے ذریعے دعوے کی مدافعت ہو سکتی ہے، نہ یہ کہ قسم استحقاق کے واسطے بھی حجت ہو، کہ اس سے حقوق کا اثبات و الزام کیا جا سکے۔ اور ولیِ مقتول کی ضرورت، حق کو ثابت کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قسم کے ذریعے مدعی کسی حقیر مال کا بھی مستحق نہیں ہو سکتا۔ تو بدرجۂ اولیٰ یہ بات ضروری ہو گی کہ مدعی، جان جیسی محترم چیز کا بھی قسم کے ذریعے مستحق نہ بنے۔[1]

ولیِ مقتول کا لوگوں کو قسموں کے لیے منتخب کرنا:

یہ اصول طے کرنا کہ مقتول کا ولی، علاقہ کے لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کو قسم لینے کے لئے منتخب کرے گا، اس بات کی دلیل ہے کہ قسم لینے کے لیے لوگوں کو منتخب کرنا، مقتول کے ولی کا حق ہے۔ اس لئے کہ قسم اُنہی کا حق ہے، اُس کے حق کی خاطر شریعت نے مدعیٰ علیہ پر قسم کو مقرر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ولیِ مقتول ایسے ہی لوگوں کو منتخب کرے گا جن پر قتل کی تہمت ہو گی۔ یا ایسے لوگوں کو منتخب کرے گا جو اپنے علاقے میں نیک اور پرہیزگار مشہور ہوں گے کیوں کہ ایسے لوگ جھوٹی قسم کھانے سے گریز کریں گے، اس طرح سے قاتل کی نشان دہی ہو جائے گی۔

اگر مقتول کے ولی نے قسامت کے واسطے ایسے پچاس آدمیوں کو منتخب کیا جو نابینا ہیں، یا جن پر تہمت کی حد لگ چکی ہے (سب پر یا بعض پر) تو یہ جائز ہو گا۔ کیوں کہ یہ صرف قسم لینا ہے، گواہی نہیں ہے۔ (گواہی کی شرائط کا اِن میں پایا جانا ضروری نہ ہو گا[2])۔

پس جب یہ پچاس آدمی، جن کو اولیائے مقتول نے منتخب کیا ہے، قسم کھالیں۔ تو اس علاقے

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۵۔ [2] ایضاً۔

کے لوگوں پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی۔
امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قسامت کے بعد، دیت واجب نہ ہوگی۔

قسم کھانے سے انکار کرنا :

مقتول کے اولیاء نے قسامت کے واسطے جن پچاس آدمیوں کو منتخب کیا ہے، اگر اُن میں سے کوئی شخص قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسم کھالے کیوں کہ قسم، اِس معاملہ میں ایک حقِ لازم کے درجہ میں قرار دی گئی ہے۔ خون کے معاملہ کی اہمیت و عظمت کی وجہ سے، اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اِس بارہ میں قسم سے انکار، اور دیت۔ دونوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ برخلاف دوسرے معاملاتِ مالیہ میں قسم سے انکار کرنے کے کہ اگر وہاں قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اُس شخص کو قید نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا جو تفصیل بیان کی گئی (قسامت کے ذیل میں) یہ اس صورت میں بھی ہے جب کہ ولیِ مقتول نے اُس علاقے کے تمام لوگوں پر دعوےٰ کیا ہو، اور اس صورت میں بھی ہے جبکہ اہلِ محلہ میں سے کسی ایک معین شخص پر، یا چند معین افراد پر دعوےٰ کیا ہو۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ : بعض معین افراد پر دعوےٰ کی صورت میں قسامت، اور دیت، باقی اہلِ محلہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اور ولیِ مقتول سے کہا جائے گا کہ تیرے پاس کوئی ثبوت، اور گواہی ہے۔؟ اگر اس نے کہا میرے پاس کوئی گواہی نہیں، اور نہ ثبوت ہے، تو مدعیٰ علیہ سے اس پر قسم لی جائے گی، صرف ایک ہی قسم، اور اس کی وجہ کہ ایسی صورت میں اہلِ محلہ سے قسامت، اور دیت ساقط ہو جائے گی، یہ ہے کہ قیاس تو اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اہلِ محلہ سے قسم لی جائے کیوں کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ اہلِ محلہ کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہو، لیکن یہ قیاس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا گیا، اور حدیث کی وجہ سے قسامت، اور دیت صرف ایسی صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ مقتول ایسی جگہ پا یا جائے جو ان مدعیٰ علیہم کی طرف منسوب ہے۔ اور مدعی بھی ان پر قتل کا دعوےٰ کرتا ہو، (تو صرف ایسی ہی صورت میں قسامت اور دیت کو واجب کیا جائے گا۔[1]

---

[1] ایضاً۔ ص : ۶۳۶۔

اگر قسامت میں اہلِ محلہ کی تعداد پچاس پوری نہ ہو تو کیا حکم ہے ؟

علاقے کے جن لوگوں سے قسمیں لینا مقصود ہے، اگر ان کی تعداد پچاس تک نہ پہنچے تو ان لوگوں سے (جو پچاس سے کم ہیں) قسمیں مکرر لی جائیں۔ یہاں تک کہ پچاس کی تعداد پوری ہو جائے۔ کیوں کہ یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک معاملۂ قتل میں قسامت کا فیصلہ کیا، اور اس علاقے کے لوگوں سے قسمیں لی گئیں تو قسمیں کھانے والوں کی تعداد انچاس تک پہنچ سکی، ایک آدمی کم رہ گیا، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے دو مرتبہ قسم لی، اس طرح پچاس قسمیں پوری کی گئیں۔ قاضی شریح اور امام نخعی سے بھی ایسا ہی منقول ہے [۱]

تشریح : شیخ عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے دورِ حکومت میں یہ فرمان جاری کیا تھا، اور اس میں یہی کہا گیا تھا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قسامت کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں، اور اگر پچاس کا عدد پورا نہ ہو سکے تو بعض لوگوں سے مکرر قسمیں لی جائیں، یہاں تک کہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں۔

(درایہ شرح ہدایہ)

بچہ اور مجنون پر قسامت نہیں ہے :

نابالغ بچہ، اور مجنون پر قسامت نہیں ہے۔ کیوں کہ ان دونوں میں صحیح اور محکم بات کہنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور قسم، ایک محکم اور جچی تلی بات کا نام ہے، لہٰذا ایسے افراد جن میں صحیح اور جچی تلی بات کہنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، اُن کو قسم کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عورت پر قسامت نہیں :

جس طرح نابالغ بچہ، اور مجنون (پاگل) پر قسامت نہیں، اسی طرح عورت پر بھی قسامت نہیں، اور غلام پر بھی قسامت نہیں، کیوں کہ عورت اور غلام، دونوں اس بات کے اہل نہیں کہ کسی دوسرے

---

[۱] ایضاً۔

کی مدد کریں۔ اور قسم اُس شخص پر لازم ہوتی ہے جو کسی کا معین و مددگار بن سکے۔

کن صورتوں میں قسامت، اور دیت نہیں:

اگر کوئی شخص کسی جگہ مردہ پایا گیا، اور اس کے جسم پر زخم، چوٹ، یا مار وغیرہ کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہے، تو اِس صورت میں اُس علاقہ کے لوگوں پر نہ قسامت ہے، اور نہ دیت واجب ہوگی۔ اس لئے کہ ظاہر احوال کے مطابق وہ شخص مقتول نہیں ہے۔ عرف اور محاورے میں مقتول اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی زندگی کسی ایسے سبب اور ذریعے سے ختم ہوئی ہو جس کا کسی زندہ انسان نے ارتکاب کیا ہو، ایسا آدمی اپنی طبعی موت مرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اور سزا، مکلّف آدمی کے عمل پر مرتب ہوتی ہے۔

جس علاقے میں انسان مردہ پایا جائے، وہاں کے لوگوں سے قسم لینے کے لئے ضروری ہے کہ مردہ کے جسم پر ایسے نشان ہوں، جو اس بات پر دلالت کریں کہ اس شخص کو قتل کیا گیا ہے۔

اگر ایک شخص مردہ پایا گیا، اور اس کے منہ سے، یا پیشاب پاخانے کی جگہ سے خون نکلا ہوا تھا، اور یہ آثار موجود تھے کہ اس خون نکلنے کی وجہ سے اِس کی موت واقع ہوئی ہے، تو اس صورت میں بھی قسامت نہ ہوگی۔ کیوں کہ اِن جگھوں سے، بغیر کسی دوسرے شخص کے عمل اور ایذا رسانی کے بھی خون نکلتا ہے۔ (عادةً، یا کسی مستقل بیماری کے سبب)۔[1]

اگر کسی مقتول کے جسم کا آدھے سے کم حصّہ کسی جگہ پایا گیا، اور اس کے ساتھ اس کا سَر بھی تھا۔ یا مقتول کے بدن کے لمبائی میں دو ٹکڑے کیے گئے، مگر ایک جگہ سے ایک ٹکڑا ملا۔

یا مقتول کا سر، یا پاؤں، یا ہاتھ، یا ٹانگ کسی جگہ پائی گئی۔ تو اِن تمام صورتوں میں اس علاقے کے لوگوں پر نہ قسامت واجب ہوگی، اور نہ دیت لازم ہوگی۔

تشریح: اس بارہ میں اصول یہ ہے کہ اگر جسم کا اکثر حِصّہ پایا جائے گا تو اُسے کُل کے حکم میں شمار کیا جائے گا، کیوں کہ اکثر کے واسطے کُل کا حکم ہوا کرتا ہے، لیکن اگر جسم کے آدھے حِصّہ سے کم پایا گیا، تو اس کو پورا بدن شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ اس کے لئے، اُس علاقے کے لوگوں سے قسم لی جائیگی۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۷۔

اس میں ایک حکمت اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ جسم کا ایک حصہ ایک جگہ سے ملا۔ وہاں کے لوگوں پر قسامت اور دیت لازم کر دی، دوسرا حصہ کسی اور جگہ سے ملا۔ وہاں کے لوگوں پر اگر قسامت اور دیت لازم کریں گے تو ایک جان کے عوض دو قسامتیں، اور دو دیتیں واجب کرنا لازم آئے گا، جو کہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اصولی طور پر یہی حکم ہے کہ جسم کا اکثر حصہ جہاں سے ملے گا، وہاں کے لوگوں پر قسامت ہوگی۔ اور جسم کا کوئی ایک عضو ایک جگہ سے ملا، یا مختلف اعضاء، مختلف جگہوں سے ملے تو وہاں کے لوگوں پر نہ قسامت واجب ہوگی اور نہ دیت۔

تشریح نمبر ۲: ایسے مقتول کی نماز جنازہ میں بھی اسی اصول اور قاعدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ بدن کا نصف سے زائد حصہ مع سر کے، اگر ملے گا تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگر ایک ہاتھ، ایک پاؤں، ٹانگ وغیرہ ملی تو اس پر نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی[1]۔

ساقط شدہ حمل پر قسامت نہیں:

اگر اہلِ محلہ کے درمیان کوئی ساقط شدہ حمل پایا گیا، اور وہ مردہ تھا، اور صورتِ حال یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کی چوٹ وغیرہ کا کوئی نشان نہیں، تو محلہ والوں پر نہ قسامت ہوگی، اور نہ دیت واجب ہوگی۔

البتہ اگر ساقط شدہ حمل (بچہ) پر چوٹ کا نشان ہو، اور اس کے تمام اعضاء بھی مکمل ہوں، (ناقص الخلقت نہ ہو) تو پھر اہلِ محلہ پر قسامت واجب ہوگی، اور دیت بھی لازم ہوگی۔ اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ کے اگر تمام اعضاء درست اور مکمل ہیں تو وہ زندہ ہی پیدا ہوا ہوگا، اور اس کی موت، پیدائش کے بعد واقع ہوئی ہوگی۔

اگر بچہ کے اعضاء ناتمام ہیں، اور وہ ناقص الخلقت ہے تو مردہ حالت میں ملنے کی صورت میں اُس علاقے کے لوگوں پر نہ قسامت واجب ہوگی، اور نہ دیت۔ کیوں کہ عام طور پر ناقص الخلقت بچہ، مری ہوئی حالت میں پیدا ہوا کرتا ہے[2]۔

---

[1] مذکورہ بالا دونوں تشریحات، ہدایہ کے متن سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ج: ۴، ص: ۶۳۷، ۶۳۸۔

[2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۸۔

اگر مقتول کسی سواری پر پایا جائے تو کیا حکم ہے؟

کسی شخص کی لاش، کسی چوپائے پر پائی گئی، اس چوپائے کو کوئی ہانک کرلے جا رہا تھا، تو جو شخص اس چوپائے کو ہانک رہا تھا اس کی مددگار برادری پر دیت واجب ہوگی۔ جس محلہ اور علاقے سے یہ سواری گزر رہی تھی، وہاں کے لوگوں پر نہ قسامت واجب ہوگی، اور نہ دیت، کیوں کہ اِس صورت میں مقتول اُس شخص کے قبضے میں ہے جو اس سواری کو لے کر جا رہا ہے۔ اور یہ بالکل ایسی صورت ہوگئی جیسے یہ مقتول اُس کے گھر میں پایا جاتا، تو وہی ذمہ دار ہوتا، اہل محلہ سے قسم نہ لی جاتی۔

اور یہی حکم اُس صورت میں ہوگا جب کہ یہ شخص اس سواری کو جس پر مقتول کی لاش ہے، کھینچنے والا ہو، یا اُس پر سوار ہو[1]

اگر ایک چوپائے (سواری) کے ساتھ تین آدمی ہوں، ایک ہانکنے والا، ایک کھینچنے والا، اور ایک سوار، تو اِن تینوں پر دیت واجب ہوگی۔ کیوں کہ یہ مقتول اس وقت اِن تینوں کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ ایسی ہی صورت ہوگئی جیسے یہ مقتول ان تینوں کے گھر میں پایا جاتا۔ تو تینوں اس کے قتل کے ذمہ دار ہوتے اور اہلِ محلہ پر اس کے قتل کی کوئی ذمہ داری نہ ہوتی۔

تشریح: قدیم فقہی کتب اُس دور کی تصانیف ہیں جب سواری کا ذریعہ اونٹ، گھوڑے، گدھے، (صرف جانور) تھے، مشینی سواریاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، آج جب کہ مشینی سواریاں۔ کاریں، بسیں، اسکوٹر وغیرہ عام ہو چکے اور انہوں نے چوپایوں کی جگہ لے لی، تو ان مشینی سواریوں کو چوپایوں پر قیاس کرنا ہوگا۔ اور میرے خیال میں مسئلہ کی صورت اتنی واضح ہے کہ آج کے منصفین، اور ماہرین قانون کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ (مرتب)

اگر ایک چوپایہ دو بستیوں کے درمیان سے گزرا، اور اس چوپائے پر ایک مقتول کی لاش پائی گئی، اور صورتِ حال یہ ہے کہ اُس چوپائے کے ساتھ کوئی آدمی نہیں، نہ اس کو چلانے والا، اور نہ اس پر سوار، تو پھر دیکھا جائے گا کہ جب اس چوپائے (سواری) کو روک کر لاش قبضہ میں لی گئی،

---

[1] ہانکنا، بایں صورت ہوتا ہے کہ جانور آگے ہو اور آدمی اس کے پیچھے ہو، اور پیچھے سے اس کو چلا رہا ہو، اور اگر آدمی آگے ہے، اور جانور پیچھے، اور آگے سے وہ اس کو کھینچ رہا ہے تو یہ ہانکنا نہیں، بلکہ "کھینچنا"، کہلائے گا۔

اس وقت کونسی بستی قریب ہے۔ جو بستی قریب ہوگی وہاں کے لوگوں پر دیت واجب ہوگی۔ کیوں کہ روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقتول پیش کیا گیا، جو دو بستیوں کے درمیان پایا گیا تھا، تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: اس جگہ سے جہاں سے مقتول ملا ہے، دونوں بستیوں کی پیمائش کی جائے، جس کا فاصلہ کم ہو اس بستی کے لوگوں پر دیت لازم کی جائے "

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، ایک مقتول دو بستیوں۔ وادعہ اور ارحب، کے درمیان پایا گیا، آپؓ نے دونوں بستیوں کا فاصلہ معلوم کیا۔ مقتول سے وادعہ بستی زیادہ قریب تھی، وہاں کے لوگوں پر قسامت اور دیت واجب کی گئی۔

تشریح: بعض فقہاء سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا حکم اس صورت پر محمول ہے کہ جب مقتول ایسی جگہ پایا جائے جہاں سے اس کی آواز اس بستی والوں تک پہنچ سکتی ہو، کیوں کہ اگر اس کی آواز بستی کے لوگوں تک پہنچ سکتی تھی تو ان کے لئے اُس کی مدد کو آنا ممکن تھا، اور اس کی مدد نہ کر کے انہوں نے قصور اور کوتاہی کی ہے۔ لہذا ان پر قسامت اور دیت کا واجب ہونا، اصولِ قسامت کے مطابق ہوگا۔ (ماخوذ متن ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۳۸)۔

اگر مقتول گھر میں پایا جائے تو کیا حکم ہے؟:

اگر کوئی مقتول کسی کے گھر میں، یا گھر کے احاطے (دالان وغیرہ) میں پایا جائے، تو گھر کے مالک پر قسامت واجب ہوگی۔ کیوں کہ یہ مکان اسی کی مِلک، اور اسی کے قبضے میں ہے۔ اور دیت، اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

اِس مالکِ مکان پر جو قسامت لازم ہوگی، اس میں اس کے محلہ کے لوگ اور ہمسائے شامل نہ ہوں گے، اور نہ ہی وہ لوگ شامل ہوں گے جو اس کے مکان کے کسی حصّے میں بطور کرایہ دار رہتے ہیں، یا بغیر کرایہ دیئے یوں ہی عاریتاً رہتے ہوں[1]

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ: قسامت ان تمام لوگوں پر لازم ہوگی جو اُس مکان میں قیام پذیر ہوں جہاں مقتول پایا گیا، خواہ وہ مالکِ مکان ہوں، یا کرائے دار، یا مفت رہتے ہوں۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص ۶۳۸۔

تشریح: فقہاء نے مالکِ مکان کے علاوہ، کرایہ دار، اور عاریتاً رہنے والوں کا ذکر کیا، مگر ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو بطور مہمان اُس گھر میں ٹھہرے ہوئے ہوں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مہمانوں کو بھی عاریتاً رہنے والوں کے درجے میں شمار کیا جانا چاہیئے۔ (مرتب)

اگر مقتول مشترک مکان میں پایا جائے تو کیا حکم ہے؟

اگر مقتول کسی ایسے مکان میں پایا گیا جو مختلف لوگوں کے درمیان مشترک ہے، اس کے کئی مالک ہیں، اور سب مالک برابر کے حصّہ دار نہیں، ایک شخص آدھے مکان کا مالک ہے، ایک شخص بیس فی صدکا، اور ایک شخص تیس فی صدکا، تو اس صورت میں تینوں مالکوں پر مساوی طور پر قسامت واجب ہوگی، حصوں کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے قسامت واجب نہ ہوگی، بلکہ شرکاء کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی۔ اور اسی طرح مساوی طور پر سب شرکاء پر دیت لازم ہوگی، مثلاً اگر تین شریک ہیں، خواہ ان کے حصے برابر، سرابر ہوں یا کم زیادہ، دیت تینوں پر مساویانہ تقسیم ہوگی۔

کسی ایسے مکان میں کوئی شخص مقتول پایا گیا، جس کو خریدنے والے نے ابھی قبضہ نہیں کیا تھا!

اگر کسی شخص نے ایک مکان خریدا، اور صورتِ حال یہ ہے کہ خریدنے والے نے ابھی تک اُس مکان پر قبضہ نہیں کیا اسی حالت میں اس مکان میں کوئی شخص مقتول پایا گیا، تو اس قتل کی ذمہ داری فروخت کرنے والے کی مددگار برادری پر لازم ہوگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بیع مطلق ہو، اس میں خیارِ شرط نہ ہو، اور اگر بیع میں کسی ایک فریق کے لئے (بائع یا مشتری) خیارِ شرط ہو تو پھر قتل کی ذمہ داری اور دیت اس شخص کی مددگار برادری پر لازم ہوگی جس کے قبضے میں یہ مکان ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے ہے کہ: اگر عقدِ بیع، یعنی فروختگی کے معاملے میں کسی فریق کے لئے کوئی اختیار نہ ہو، تو مقتول کی دیت، خریدنے والے کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔ اور اگر عقدِ بیع میں، اسے فسخ کرنے کا اختیار موجود ہو تو پھر دیت اُس شخص (فریق) پر لازم ہوگی جس کے لئے بعد میں مکان کی ملکیت ثابت ہو۔

تشریح: یعنی اگر سودا کرنے والے نے معاملہ فسخ کر دیا، اور یہ مکان حسب سابق پرانے مالک، اور

فروخت کنندہ کے پاس رہا تو مقتول کی دیت اس کے ذمہ ہوگی، اور اگر خریدنے والے نے اختیار کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ کی توثیق کر دی، اور مکان پر ملکیت حاصل کر لی، تو پھر دیت خریدنے والے پر ہوگی۔ (مرتب)

اگر کوئی شخص کشتی میں مقتول پایا گیا، تو قسامت کس پر ہوگی۔؟

اگر کوئی شخص کشتی میں مقتول پایا گیا تو قسامت اُن سب لوگوں پر ہوگی جو اس کشتی میں سوار ہیں، یعنی موجود ہیں۔ ان میں مسافر بھی شریک ہوں گے، اس کو چلانے والے بھی، عملہ کے لوگ بھی، اور اگر مالک سوار ہیں، تو وہ بھی۔ اس صورت میں مالک اور غیر مالک کی تخصیص نہیں ہوگی، اور ایسا ہی حکم ہے کسی دوسری سواری کا[1]۔ (کہ اُس میں، یا وہاں جو لوگ موجود ہوں گے، اُن سب کو قسامت میں شامل کیا جائے گا)۔

مسجد میں مقتول پائے جانے کا حکم:

اگر کسی مسجد میں کوئی شخص مقتول پایا گیا، تو جس محلہ اور علاقہ میں وہ مسجد واقع ہے، وہاں کے لوگوں پر قسامت واجب ہوگی۔ کیوں کہ اُس علاقے کے لوگوں پر ہی اس مسجد کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا وہی لوگ اس کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔

لیکن اگر کوئی شخص شہر کی جامع مسجد میں مقتول پایا گیا، یا کسی شارعِ عام پر مقتول پایا گیا تو کسی پر قسامت نہ ہوگی، اور دیت بیت المال پر واجب ہوگی۔ اس لئے کہ جامع مسجد میں شہر کے ہر علاقے کے لوگ آتے ہیں، کوئی خاص طبقہ نہیں آتا کہ ان پر قتل کی ذمہ داری ڈالی جائے۔

اسی طرح عام سڑکوں کا حال ہے، وہاں سے بھی ہزاروں لوگ گزرتے ہیں، کسی خاص فرد یا طبقے کے ساتھ اس کا تعلق نہیں، اس لئے قسامت واجب نہ ہوگی، اور دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ کیوں کہ اس میں تمام لوگوں کا مال ہے، اور سب کا حق وابستہ ہے[2]۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۰۔ [2] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۱۔

اگر بازار میں مقتول پایا جائے تو کیا حکم ہے۔؟

اگر کوئی مقتول کسی ایسے بازار میں پایا جائے جو کسی کی ملکیت ہے، تو امام ابو یوسف رحہ کے نزدیک قسامت اور دیت وہاں کے تمام باشندوں پر واجب ہوگی، خواہ وہ مالک ہوں، یا کرائے دار۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کہتے ہیں کہ: جو شخص، یا جو افراد اس بازار (مارکیٹ) کے مالک ہیں صرف ان پر قسامت اور دیت واجب ہوگی۔

اگر بازار کسی خاص فرد، یا افراد کی ملکیت نہیں، جیسے وہ بازار، اور دوکانیں جو عام سڑکوں پر بنائی جاتی ہیں، اور ایسے بازار میں کوئی مقتول پایا جائے تو دیت، بیت المال پر لازم ہوگی (غالباً ہر وہ دوکانیں اور بازار مراد ہیں جو سرکاری ادارے بناتے ہیں۔ کیوں کہ دوکانوں، اور مارکیٹوں کا کوئی نہ کوئی تو مالک ہوتا ہی ہے)۔

جیل خانے میں مقتول پائے جانے کا حکم:

اگر کوئی مقتول کسی جیل خانے میں پایا گیا، تو اس کی قسامت و دیت بھی بیت المال پر واجب ہوگی۔ اس لئے کہ جیل میں جو لوگ (عام طور پر قیدی) ہوتے ہیں، وہ مقہور و مغلوب ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا، اس بنا پر ان کے ذمہ وہ چیز لازم نہیں ہو سکتی جو نصرت و امداد کی بنا پر لازم ہوتی ہے۔

نیز یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ جیل خانے کا فائدہ عام لوگوں کو پہنچتا ہے، تو اس سلسلے کا جو نقصان اور تاوان ہے وہ بھی ان سب پر عائد ہونا چاہئے۔

امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ: ایسی صورت میں قسامت، اور دیت دونوں جیل خانے والوں پر عائد ہوگی۔ کیوں کہ وہی لوگ یہاں کے باشندے ہیں اور یہاں کی تدبیر و نگرانی انہی کی ذمہ داری ہے۔[1]

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص، ۶۴۱۔

پُل پر مقتول پایا جائے تو کیا حکم ہے:

نہروں، ندیوں، اور دریاؤں وغیرہ کے جو پُل ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص ان پر مقتول پایا گیا، یعنی کسی شخص کی لاش پل پر پڑی ہوئی ملی تو اس کی دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔

جنگل میں مقتول کے پائے جانے کا حکم:

اگر کسی شخص کی لاش ایسے جنگل بیابان میں ملی، جہاں قریب میں کوئی آبادی نہیں، نہ کوئی عمارت ہے، نہ مزدور، کاشت کار قسم کے لوگ وہاں رہتے ہیں، تو ایسی صورت میں اس کا خون ہَدَر اور رائگاں ہے۔ اور کسی پر نہ اس کی قسامت ہے، اور نہ دیت،۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ رقبہ اور میدان یا جنگل کسی کی مِلک نہ ہو، لیکن اگر وہ کسی کی مِلک ہے تو قسامت اور دیت دونوں، مالک کی مددگار برادری پر لازم ہوں گی[1]

دریا میں مقتول پائے جانے کا حکم:

اگر کسی شخص کی لاش کسی نہر، ندی، یا دریا میں تو اگر وہ لاش کنارے کے ساتھ رکی ہوئی تھی، تو اس کی قسامت اور دیت اس کنارے سے جو بستی قریب تر ہے، وہاں کے لوگوں پر ہوگی۔ لیکن اگر لاش دریا میں بہتی ہوئی جا رہی ہے، کسی خاص جگہ پر رکی ہوئی نہیں ہے تو پھر کسی پر اس کی نہ قسامت ہوگی، اور نہ دیت ہوگی۔ بلکہ اس کا خون ہَدَر اور رائگاں ہوگا[2]

اگر مقتول کے سرپرست نے معین شخص پر دعویٰ کیا تو کیا اہلِ محلہ سے قسامت و دیت ساقط ہو جائے گی:

اگر مقتول کے سرپرست نے اس محلہ اور علاقہ کے لوگوں میں سے کسی ایک خاص شخص پر قتل کا دعویٰ کیا، تو محلہ والوں سے نہ قسامت ساقط ہوگی، اور نہ دیت۔ لیکن اگر کسی ایسے شخص پر قتل کا دعوےٰ کیا جو اس علاقہ کا رہنے والا نہ تھا جہاں سے لاش ملی ہے تو اس علاقہ کے لوگوں سے قسامت اور دیت ساقط

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۱۔

ہو جائے گی۔[1]

چند لوگوں کی لڑائی میں مارے جانے کا حکم:

اگر ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے جھگڑا ہو گیا، ان میں آپس میں ہاتھوں، چھریوں اور تلواروں سے (یا کسی بھی قسم کے مہلک ہتھیاروں سے) لڑائی ہوئی، اس کے بعد وہ دونوں گروہ الگ ہو گئے اور وہاں ایک مقتول کو چھوڑ گئے، تو اس صورت میں قسامت اور دیت اُس محلہ کے لوگوں پر واجب ہو گی جہاں لڑائی ہوئی ہے، اور وہیں سے یہ لاش ملی ہے۔

البتہ اگر مقتول کے سرپرست ان لڑنے والے لوگوں پر، یا کسی معین شخص پر قتل کا دعویٰ کریں تو پھر اس محلہ کے لوگوں پر نہ قسامت واجب ہو گی، اور نہ دیت[2]۔

لشکر گاہ میں مقتول کے پائے جانے کا حکم:

اگر کوئی مقتول کسی لشکر گاہ میں ملا، جو لشکر کسی میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، اور وہ میدان کسی کی ملکیت نہیں، تو اگر یہ مقتول کسی کے خیمے کے اندر سے ملا ہے تو اس خیمہ کے لوگوں پر قسامت اور دیت واجب ہو گی۔

اور اگر خیمہ سے باہر پڑا ہوا ملا ہے، تو اُن خیمہ والوں پر قسامت اور دیت واجب ہو گی جو اس (لاش) کے قریب ہے۔ قبضہ کا لحاظ کرتے ہوئے، اور یہ اُس وقت ہے جب کہ ابھی دشمن کے ساتھ لڑائی نہیں ہوئی، یا ہو چکی، اور بعد میں واپسی پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔

لیکن اگر دشمن سے جنگ کی ہو، اور پھر میدانِ جنگ میں مقتول پایا گیا ہو تو کسی پر نہ قسامت ہے، نہ دیت۔

اگر وہ میدان، جہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہوا ہے کسی کی ملک ہے، تو امام ابو یوسف کے نزدیک قریب تر خیمہ والوں، اور مالک یا مالکوں، سب پر قسامت اور دیت واجب ہو گی۔[1]

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

اگر ایک شخص کو کسی جگہ زخمی کیا گیا، اور وہ دوسری جگہ جا کر مرا تو کیا اس میں قسامت ہے؟

ایک شخص کو کسی قبیلہ میں زخمی کر دیا گیا، اس زخمی کو وہاں سے اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ گھر جانے کے کچھ عرصہ بعد وہ زخمی شخص فوت ہو گیا، تو اگر یہ شخص زخمی ہونے کے بعد سے فوت ہونے تک صاحب فراش رہا تو امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق، اس قبیلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی جہاں اسے زخمی کیا گیا تھا۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ:

اس صورت میں نہ قسامت ہے اور نہ دیت، کیوں کہ قبیلہ یا محلہ میں جو امر واقع ہوا تھا، وہ قتل نفس سے کم تھا۔ اور قتلِ نفس سے کم میں قسامت نہیں ہوتی۔

اگر زخمی ہونے کے بعد درمیان میں وہ صحت مند ہو گیا اور اس کے بعد موت واقع ہوئی تو پھر بالاتفاق اہل قبیلہ (یا اہلِ محلہ) پر نہ قسامت ہوگی یا نہ دیت۔

اگر کوئی شخص زخمی ہوا، اور اس میں زندگی کے کچھ آثار باقی تھے، جہاں اس شخص کو زخمی کیا گیا تھا، وہاں سے اُسے اُٹھا کر کوئی شخص اپنے گھر لے گیا، یہ مجروح شخص ایک، یا دو روز زندہ رہا، پھر مر گیا، تو ابو حنیفہ کے نزدیک وہ شخص ضامن ہوگا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شخص ضامن نہیں ہوگا۔[1]

اگر کوئی شخص خود اپنے گھر میں مقتول پایا جائے۔؟

اگر کوئی شخص خود اپنے گھر میں مقتول پایا گیا، تو اس کی دیت اس کی مددگار برادری پر، اس کے وارثوں کے واسطے لازم ہوگی۔

امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام زفر کے نزدیک کسی پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ (قسامت، نہ دیت)۔

---

[1] ہدایہ۔ ج: ۴، ص: ۶۴۴۔

اگر ایک مکان، یا ایک کمرہ میں دو آدمی رہتے ہوں، اور اُن میں سے ایک مقتول پایا جائے تو کیا حکم ہے۔؟

اگر کسی ایک مکان، یا ایک کمرہ میں دو شخص رہتے ہوں، ان میں سے ایک مقتول پایا جائے تو امام محمد کہتے ہیں کہ اس کا دوسرا ساتھی دیت کا ضامن نہ ہوگا، کیوں کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس شخص نے خود اپنے آپ کو قتل کر لیا ہو (خودکشی کا ارتکاب کیا ہو) اور احتمال پیدا ہو جانے سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

امام ابویوسف کہتے ہیں کہ دوسرا شخص دیت کا ضامن ہوگا۔ کیوں کہ عام طور پر کوئی آدمی خود اپنے آپ کو قتل نہیں کیا کرتا[1]

اگر مقتول کسی کے مملوک گاؤں میں پایا جائے تو قسامت کس پر ہے؟

اگر کوئی مقتول کسی ایسے گاؤں میں پایا گیا جو کسی عورت کی ملک تھا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس عورت پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔ بایں طور کہ اسی سے پچاس مرتبہ قسم لی جائے گی۔ اور دیت، عورت کی اُس مددگار برادری پہ لازم ہوگی جو نسب کے اعتبار سے اس سے سب سے زیادہ قریب ہو[2]

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔

کتابیات

القرآن الحکیم

۱۔ صحیح بخاری۔	امام محمد بن اسماعیل بخاری رح۔ طبع : لیڈن ۱۸۶۴ء۔
۲۔ صحیح مسلم۔	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری رح۔ طبع : قاہرہ (مصر) ۱۹۵۵ء۔
۳۔ سنن ابن ماجہ۔	ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی رح۔ طبع : مصر ۱۹۵۲ء۔
۴۔ سنن النسائی۔	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی۔ طبع : مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۶ء۔
۵۔ السنن الکبریٰ۔	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی۔ طبع : حیدرآباد دکن (بھارت) ۱۳۵۴ھ
۶۔ الجامع للترمذی۔	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رح۔ طبع : مطبع حمیدی کانپور (بھارت)
۷۔ احکام القرآن۔	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص رح۔ طبع : ۱۳۲۵ھ۔
۸۔ الجامع لاحکام القرآن۔	ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رح۔ طبع : مصر ۱۹۲۶ء۔

۹- الجرائم فی الفقه الاسلامی۔	احمد فتحی بھنسی۔ طبع : مصر ۱۳۵۹ھ
۱۰- التعزیر فی الشریعة الاسلامیه۔	دکتور عبدالعزیز عامر۔ طبع : مصر ۱۹۵۷ء۔
۱۱- السراج الوهاج۔	شیخ محمد زہری الغمراوی۔ طبع : ۱۹۳۳ء۔
۱۲- الاختیار۔	عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی رحمہ اللہ الحنفی) طبع : مصر ۱۹۵۱ء۔
۱۳- العدۃ فی شرح العمدۃ۔	شیخ بہاء الدین عبدالرحمٰن المقدسی رحمہ اللہ۔ طبع : مصر ۱۳۸۲ھ۔
۱۴- الاقناع۔	شمس الدین محمد ابن احمد الشربینی رحمہ اللہ الخطیب۔ طبع : مصر ۱۹۴۰ء
۱۵- القصاص، الدیات، العصیان المسلح فی الفقه الاسلامی۔	شیخ احمد الحصری۔ طبع : عمان (اردن) ۱۹۷۴ء۔
۱۶- المدونة الکبریٰ۔	امام مالک رحمہ اللہ بن انس رحمہ اللہ بروایت ابن سحنون رحمہ اللہ۔ طبع : قاہرہ (مصر) ۱۳۲۳ھ۔
۱۷- المغنی۔	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ۔ طبع : مصر ۱۳۶۷ھ۔
۱۸- المبسوط۔	شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر السرخسی رحمہ اللہ؛ طبع مصر۔
۱۹- الهدایه۔	ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ۔ طبع : مکتبہ رحیمیہ دیوبند (بھارت) ۱۳۷۸ھ۔
۲۰- بدایة المجتهد	ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی رحمہ اللہ۔ طبع : مصر ۱۹۰۰ء۔

۲۱- بدائع الصنائع -	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی - طبع : مصر ۱۳۲۷ھ -
۲۲- تبیین الحقائق -	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی رح - طبع : ملتان -
۲۳- صفوۃ الاحکام -	قحطان عبدالرحمٰن الدوری - طبع : بغداد (عراق) ۱۹۷۴ء -
۲۴- عیون المسائل -	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی - طبع : بغداد (عراق) ۱۹۶۵ء -
۲۵- فتاویٰ عالمگیری -	طبع : نول کشور - لکھنؤ - (بھارت)
۲۶- کتاب الام -	امام محمد بن ادریس الشافعی رح - طبع : مصر ۱۳۲۱ -
۲۷- کتاب الخراج -	امام ابویوسف رح - اردو ایڈیشن - طبع لاہور -
۲۸- مجلۃ الاحکام العدلیہ -	طبع : حیدر آباد دکن (بھارت) ۱۲۹۳ھ -
۲۹- معین الحکام -	شیخ امام علاء الدین ابی الحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی - طبع : مصر ۱۳۰۰ھ -

تراجم مصادرِ قانونِ اسلامی

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی مذکورہ بالا منصوبہ پر مندرجہ ذیل مجلدات تیار کر رہا ہے ۔

۱ ۔	حدود و تعزیرات ۔	طبع ہو چکی ہے ۔
۲ ۔	قصاص و دیت ۔	″ ″
۳ ۔	اصول الکرخی ۔	″ ″
۴ ۔	ربوا و مضاربۃ ۔	زیرِ طبع
۵ ۔	ادب القاضی، شہادت و دعوی ۔	″
۶ ۔	شفعہ و بیوع ۔	زیرِ تالیف و ترجمہ ۔
۷ ۔	حوالہ، کفالہ، رھن ۔	″ ″
۸ ۔	زکوٰۃ، عشر، خراج ۔	″ ″
۹ ۔	فقہِ جعفری "حدود و تعزیرات"۔	زیرِ طبع ۔